جلد 24 شمارہ 9 ماہ اکتوبر 2022ء ربیع الاول 1444ھ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

صداقت

الله

محبت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض و مقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباعِ رسول، کثرتِ ذکر مکارمِ اخلاق اور خدمتِ خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اس کی رضا و لقاء کے حصول کو مقصودِ حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد و بغض، تجسّس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ
بانی مجلّہ فلاح آدمیت

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
نگران و سرپرست اعلیٰ: جناب محمد یعقوب توحیدی
0344-9000042

مجلس ادارت

مدیر: احمد رضا خان
0321-6400942

معاون مدیر: شہزاد محمود بخاری
0301-7430525

نائب مدیر: سید رحمت اللہ شاہ
0333-4552212

خالد مسعود، وحید احمد پیر خان
حافظ محمد یٰسین، عبدالقیوم ہاشمی
پروفیسر محمد شبیر شاہد ہوتوانی
ماجد محمود توحیدی

ترسیل: فھد محمود ، محمد ریاض

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
info@tauheediyah.com :ای میل Ph: 055-3411030
Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے ❁ ❁ ❁ سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

صداقت — الله — محبت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

کا اصلاحی و تربیتی، روح پرور عظیم

سالانہ اجتماع

21,22 اکتوبر 2022

بروز جمعۃ المبارک، ہفتہ، کو منعقد ہوگا

مرکز تعمیر ملت وحید کالونی، کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

0303 0466321, 0324 6075313, 0300 7374750

انسان اور معاشرے پر گناہوں کے مہلک اثرات

(از خطباتِ حرم)

(امام کعبہ الشیخ عبدالرحمٰن السدیس ترجمہ محمد عبدالہادی العمری)

"ہر قسم کی حمد اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے، ہم اسی کی تعریف کرتے ہیں، اسی سے مدد طلب کرتے ہیں، اسی سے ہدایت مانگتے ہیں، اسی سے مغفرت چاہتے ہیں، اسی کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہیں اور ہم اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں اپنے نفس کی شرارتوں سے اور اعمال کی برائیوں سے جسے اللہ ہدایت عطا فرمائے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے وہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اس نے اہلِ خیر کے لیے کامیابی و کامرانی کا فیصلہ فرمایا اور نافرمانوں کے لیے ذلت اور رسوائی مقدر کردی۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، آپ ﷺ اللہ کے محبوب اور خلیل ہیں، آپ امین اور بشیر و نذیر ہیں، آپ ﷺ نے تبلیغ کا حق ادا کردیا اور اللہ کے راستے میں دعوتِ دین کی بھرپور کوشش کی۔ آپ نے خیر کے تمام راستے امت کو بتائے اور ہر قسم کے شر سے خبردار کیا۔ اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں، برکتیں اور سلامتی ہو آپ ﷺ پر، آپ کی آل اور اصحاب پر جو آپ کے طریقے پر چلے اور آپ کی شریعت سے مکمل طور پر وابستہ رہے اور قیامت تک آنے والے ان تمام لوگوں پر جو ان کے نقش قدم پر چلتے رہیں۔"

حمد و صلاۃ کے بعد:

لوگو! اللہ سے ڈرو، اس کی اطاعت کرو اور نافرمانی سے بچو۔ اللہ تعالیٰ کا

احسان عظیم ہے کہ اس نے اس اُمت کو راہِ حق کا پیشوا اور امام بنایا، خاتم الانبیاء والرسل کی بعثت کیلئے اس امت کا انتخاب فرمایا، ان کی رہنمائی کیلئے بہترین کتاب نازل فرمائی، جب تک وہ اس دین سے وابستہ رہیں، اُن کیلئے نصرت و مدد کا وعدہ فرمایا، چنانچہ ایک طویل عرصے تک فرزندانِ ملتِ اسلامیہ دنیا کی امامت وقیادت کرتے رہے، پھر ان کی عظمت، ذلت میں بدل گئی، مختلف قومیں ان پر ٹوٹ پڑیں، چاروں طرف سے ان پر حملے ہونے لگے، ہر طرف ان کو شکست اور پسپائی ہونے لگی۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سے عوامل تھے جن کی وجہ سے ہم نے اپنا مقام کھودیا، ہماری عزت ذلت میں تبدیل ہوئی اور اوجِ ثریا سے ہمیں تحت الثریٰ پھینک دیا گیا؟ اس کا تجزیہ کیا جائے تو اس کا اہم سبب گناہوں سے آلودہ ہماری زندگی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے کیونکہ یہ قانون الٰہی ہے جسے کوئی فرد یا جماعت بدل نہیں سکتی کہ جب تک کوئی قوم اپنے ربّ کے حکم اور نبی کے راستے پر گامزن ہوگی وہ ترقی کی منزلیں طے کرتی جائے گی اور اس کیلئے اللہ کی نصرت آتی رہے گی لیکن اگر کوئی قوم اپنے خالق سے بغاوت کرے اور نبی کا راستہ چھوڑ دے تو پھر اللہ تعالیٰ کا قانون رنگ ونسل اور خاندان کو نہیں دیکھتا بلکہ اس کا انصاف سب کیلئے برابر اور قانون ہر ایک کیلئے یکساں ہے، پھر وہ اس باغی قوم کے خلاف حرکت میں آجاتا ہے اور اسے مقامِ بلند سے اُٹھا کر پستیوں میں پھینک دیتا ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

”بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے آپ کو بدل نہ ڈالے۔“ ایک اور مقام پر فرمایا:

”اور جو کچھ تمہیں مصیبت پہنچتی ہے، وہ تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے اور بہت سی چیزوں کو وہ معاف کردیتا ہے۔“

''بے شک اللہ کو بھی غیرت آتی ہے اور اللہ کو غیرت اس وقت آتی ہے جب کوئی مومن اللہ کی حرام کردہ چیزوں کا ارتکاب کرے۔'' کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

''میں نے دیکھا کہ گناہ دلوں کو مردہ کر دیتے ہیں اور آدمی کو ہمیشہ کی ذلت میں مبتلا کر دیتے ہیں، ترکِ معاصی میں دلوں کی زندگی ہے، تمہارے لیے نفس کی سرکشی ختم کرنے میں بھلائی ہے۔'' عزیز بھائیو گناہوں کا افراد اور قوموں کی زندگی پر گہرا اثر مرتب ہوتا ہے امام ابن قیمؒ نے فرمایا: ''معاصی اور گناہوں کا انسانی جسم پر ویسا ہی اثر ہوتا ہے جس طرح کوئی زہر، اسے نقصان پہنچاتا ہے۔ دنیا اور آخرت کی بربادی گناہوں سے آلودگی کے باعث ہے کیا آپ نے غور کیا کہ ہمارے جدِ امجد کو جنت سے کیوں نکالا گیا؟ کیا آپ نے سوچا کہ ابلیس کیوں راندۂ دربارِ الٰہی ہوا؟ کس سبب سے وہ موجبِ لعنت ٹھہرا؟ اور کیوں اس پر ہمیشگی کی ذلت طاری کر دی گئی؟ جنت سے اٹھا کر جہنم میں کیوں جھونک دیا گیا؟ سابقہ اقوام کی تباہی کیونکر ہوئی؟ قوم عاد پر آندھیوں کا عذاب کیوں مسلط ہوا؟ جس کی وجہ سے یہ تندرست و توانا قوم کٹے ہوئے درخت کے تنوں کی طرح پڑی رہی؟ قوم ثمود کے کلیجے کیوں پھٹ گئے؟ قوم شعیب کو کیوں سائبان کے ہیبت ناک عذاب میں مبتلا کیا گیا؟ ان پر دہکتے ہوئے انگاروں کی بارش کیوں برسائی گئی؟ فرعونیوں کو کس وجہ سے غرق کیا گیا؟ اور کیوں ان کو جہنم میں پھینکا گیا؟ قارون کو اس کی دولت سمیت زمین میں کیوں دھنسا دیا گیا؟ قوم نوح کے بعد مختلف قوموں کو مختلف عذابوں میں کیوں مبتلا کیا گیا؟ بنی اسرائیل کے خلاف سخت گیر قوم کو کیوں مسلط کیا گیا! ان دونوں وعدوں میں سے پہلے کے آتے ہی ہم تمہارے مقابلے پر اپنے طاقتور بندوں کو کھڑا کر دیں گے، وہ تمہارے گھروں کے اندر گھس جائیں گے، اللہ کا یہ وعدہ پورا ہو نا ہی تھا، کس نے ان کے مردوں کو تہ تیغ کیا؟ بچوں اور عورتوں کو پس زندان کیا؟

کس نے ان کی جائیداد اور دھن دولت کو آگ لگادی، پھر دوبارہ ان پر اسی طرح کا عذاب مسلط کیا گیا۔

ترجمہ: ''اور پھر دوبارہ جس جس پر قابو پائیں گے جڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے۔''

پھر اس پر عذابوں کا سلسلہ مسلط کیا گیا، کبھی ان کی ہلاکت وخونریزی کی گئی، کبھی ظالم حکمرانوں نے انہیں اپنے ظلم کا نشانہ بنایا، کبھی ان کے چہرے مسخ کر کے انہیں بندر کی شکل میں بدل دیا گیا اور ایک سے بڑھ کر ایک سخت ذلت آمیز عذاب آیا۔

ترجمہ: ''اور وہ وقت یاد کرو جب آپ کے رب نے یہ بات بتلا دی وہ ان یہودیوں پر قیامت تک ان لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا جو انھیں شدید تکلیف پہنچاتے رہیں۔''

امام ابن قیمؒ نے بڑی شرح وبسط سے گناہوں کے اثرات کا ذکر کیا ہے کہ دنیا اور آخرت میں افراد اور قوموں پر معاصی کے کیا کیا نقصانات ہوں گے، یہ اثرات ونقصانات کبھی علم سے محرومی، رزق میں بے برکتی، تنگی اور ظلمت کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اور کبھی قلب وبدن کی کمزوری، اطاعت سے دوری اور ذلت کی شکل میں نمودار ہوتے ہیں، فرمان الٰہی ہے:

ترجمہ: ''جسے اللہ تعالیٰ ذلیل کردے اسے کون عزت بخش سکتا ہے، بے شک اللہ جو چاہے کرتا ہے۔''

معاصی کے مزید نقصانات کبھی عقل وخرد کی بربادی کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں اور کبھی پست ہمتی ، بے ضمیری ، بے غیرتی ،زوالِ نعمت،ذلت کی مار،خوف ورعب، پریشانی،بصیرت کی قلت،بارش کی کمی اور مختلف قسم کی پریشانیوں کی شکل میں دنیا میں ،قبر میں اور آخرت میں ظاہر ہوتے ہیں،غرض گناہوں کا ہر نقصان ایک دوسرے سے بڑا اور ہر تباہی دوسری تباہی سے زیادہ عبرتناک صورت میں ظاہر ہوتی ہے ۔قرآن مجید اور احادیث

میں اس کی صراحت اس قدر صاف صاف کر دی گئی ہے کہ شک وشبہ کی ادنیٰ سی گنجائش بھی باقی نہیں رہتی۔

ترجمہ: ''بلاشبہ عبرت ہے اس میں ان کیلئے جو ہوش مندی کا مظاہرہ کریں، بات توجہ سے سنیں اور حاضر ہوں۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ترجمہ: ''ہر شخص اپنے گناہ کے بدلے گرفت میں لیا گیا، ان میں کچھ ایسے ہیں جنہیں سخت آندھی سے ختم کیا گیا، کچھ خوفناک چنگھاڑ کے ذریعے اور بعض کو زمین میں دھنسا دیا گیا اور کچھ کو غرق آب کیا گیا، یقیناً تمہارے ربّ نے ان میں سے کسی پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنے آپ پر ظلم کر رہے تھے۔'' شاعر نے کیا خوب کہا جس کا ترجمہ ہے:

''اگر تمہیں کسی نعمت سے سرفراز کیا گیا ہے تو اس کی حفاظت کرو کیونکہ گناہ زوالِ نعمت کا سبب ہیں۔ نعمت کو اللہ کے شکر کے ذریعے باقی رکھا جا سکتا ہے اور شکرِ الٰہی سے اللہ کا غیظ وغضب بھی ٹل جاتا ہے۔'' حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''نیکی سے چہرے پر رونق، دل میں نور، رزق میں وسعت، بدن میں قوت اور مخلوق کے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے اور گناہ سے چہرہ پژمردہ، قلب اور قبر کی تاریکی، جسم میں کمزوری، رزق میں قلت اور لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے۔''

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا:

ترجمہ: ''اللہ کے نافرمان چاہے سخت جان خچروں پر سوار ہو جائیں یا سبک رفتار گھوڑوں پر، انہیں حقیقی عزت سرفرازی حاصل نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ گناہوں کا بوجھ ان کے دلوں کی راحت چھین لے گا، اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ اس کے نافرمانوں کا سر نیچا ہو جائے۔''

عزیزانِ گرامی! کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہم اپنے گناہوں کی سنگینی کا جائزہ لیں اور یہ حقیقت سمجھ لیں کہ ہماری ذلت اور پستی کا بنیادی سبب خود ہماری بداعمالیاں ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ اپنی اصلاح کی طرف توجہ دیں، اصلاح ترکِ معاصی اور گناہوں سے توبہ کے ذریعے ہوتی ہے، نیز دانشوروں کو بھی غور کرنا چاہیے کہ اس وقت جو ہر طرف بدامنی اور فتنہ وفساد کا دور دورہ ہے، خانہ جنگیوں کی کثرت ہے، لوٹ مار اور قتل وغارت گری کا بازار گرم ہے، نت نئی بیماریوں کی وبا پھیل رہی ہے، کہیں یہ سب کچھ ہمارے اپنے ہی کرتوتوں کا نتیجہ تو نہیں؟ کیونکہ فرمایا گیا ہے:

ترجمہ: ”جو اللہ کے ذکر سے اعراض کرے گا اس پر سخت عذاب مسلط کر دیا جائے گا۔“

مزید فرمایا:

ترجمہ: ”کیا وہ لوگ جنہوں نے برائیاں کیں اس بات سے بے خوف ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسا دے یا ان پر اس طرح عذاب لے آئے جسے وہ محسوس ہی نہ کر سکیں یا اس وقت انھیں اپنی لپیٹ میں لے جب وہ سو رہے ہوں، وہ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے یا انھیں حالتِ خوف آ دبوچے، بے شک تمہارا ربّ بہت کرم کرنے والا اور مہربان ہے۔“

اگر ہم اپنے آس پاس مختلف علاقوں اور قوموں پر نازل ہونے والی بلاؤں اور مصیبتوں کا جائزہ لیں تو یہ بات یقینی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ اس کا اہم سبب ان کے گناہ اور عیش پرستی ہے۔ گناہوں میں اتنی دیدہ دلیری کہ عقائد، اعمال اور اخلاقیات ہر چیز اس کی لپیٹ میں آ گئی، عقائد میں شرک، ترکِ سنت، بدعات اور خرافات میں دلچسپی بڑھنے لگی اور اعمال کا یہ حال ہے کہ حدود اللہ کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہو رہی ہے اور اخلاقیات کا تو کہنا ہی کیا، الامان والحفیظ! فسق وفجور کا بازار ہر طرف گرم ہے، نہ اس پر کسی کا اعتراض ہے،

نہ نکیر کی فرصت، الاماشاءاللہ! پھر ہمارا میڈیا خصوصاً الیکٹرانک میڈیا تو جلتی پر تیل چھڑکنے کا کام کر رہا ہے، اسی میڈیا کے ذریعے برائیوں کو اتنی خوبصورتی سے عام کیا گیا کہ لوگ کھلے بندوں سینہ زوری کے ساتھ برائی کرنے لگے، ان کے دل سے احساس زیاں تک جاتا رہا، حالانکہ قدرت کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے:

ترجمہ: ”اور بے شک تمہارا ربّ گھات لگائے ہوئے ہے۔“

یہ افسوسناک حالات اس بات کے متقاضی ہیں کہ حکام، قائدین، علماء، داعیانِ دین اور دانشورانِ ملتِ اسلامیہ کو مل بیٹھ کر سوچنا چاہیے کہ گناہوں کے اس سیلاب کے آگے بند کس طرح باندھا جائے۔ اس معاملے پر عمل کرنے کی ہنگامی بنیادوں پر ضرورت ہے تاکہ وقت ہاتھ سے نہ نکل جائے، مایوسی کی گھٹاٹوپ تاریکی میں ہلکی سی روشنی ایمان کی حرارت والوں کی طرف سے دکھائی دے رہی ہے، بعض لوگوں کی اصلاح پسندانہ کوششوں کے مثبت نتائج دیکھنے میں آ رہے ہیں اور عالم اسلام میں بیداری کی ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے چلنے لگے ہیں، جن سے ان شاءاللہ عالم اسلام مستفید ہو سکتا ہے۔

ترجمہ: ”یہ بات اللہ تعالیٰ کیلئے بھاری نہیں۔“ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن مجید اور اتباعِ رسولِ اکرم ﷺ کی برکتوں سے بہرہ مند فرمائے۔ اللہ ہم سب کی مغفرت فرمائے۔

”ہر قسم کی حمد اللہ ہی کیلئے ہے جو گناہوں کا بخشنے والا، توبہ قبول کرنے والا اور زبردست طاقت والا ہے، اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اسی کی طرف ہمیں لوٹنا ہے۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، اللہ کی لامتناہی رحمتیں اور سلامتی ہو آپ ﷺ پر، آپ کی آل اور آپ کے اصحاب پر اور قیامت تک آنے والے ان تمام لوگوں پر جو قرآن و سنت کی راہ پر چلیں۔“

حمد و صلاۃ کے بعد:

لوگو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور جان لو کہ جب بھی کسی علاقے میں گناہوں کی کثرت ہوتی ہے وہ برباد ہو جاتا ہے، جس دل میں برائیاں گھر کر لیتی ہیں وہ مردہ ہو جاتا ہے، جس جسم میں ان کو جگہ ملتی ہے وہ ناکارہ ہو جاتا ہے، جس قوم میں یہ عام ہوتی ہیں اسے ذلیل کر دیتی ہیں اور جس سوسائٹی میں پھیلتی ہیں اسے اجاڑ دیتی ہیں۔ برائیوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کی ذمہ داری کلمہ گو مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے، رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اس کی ذمہ داری کے متعلق پوچھا جائے گا۔''

ہر شخص اپنی ذمہ داری پوری کرے۔ اپنی، اپنے گھر کی اور اولاد کی تربیت پر خصوصی توجہ دے تاکہ ان میں خیر کا جذبہ راسخ ہو، منکرات سے نفرت ہو اور اپنی طاقت کے مطابق معاشرے کو پاک کرنے کی جستجو ہو کیونکہ جب بھی کوئی بلا اور آفت نازل ہوتی ہے وہ گناہ کے سبب سے ہوتی ہے اور توبہ کے ذریعے دور ہوتی ہے، لہٰذا ہمیں بکثرت استغفار اور عملی توبہ کی سنجیدگی سے فکر کرنی چاہیے، شاید ہمارا سوز دل اور ہماری تڑپ اللہ کو پسند آ جائے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ترجمہ: ''کہہ دیجیے، اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے آپ پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا، بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف کرنے والا ہے، یقیناً وہ غفور اور رحیم ہے۔''

درود و سلام پڑھیے! جناب خیر الوریٰ رسول مجتبیٰ حضرت محمد مصطفی ﷺ پر۔

فکر اسلامی اور استحکام پاکستان

(کے ۔ ایم ۔ اعظم)

جمال الدین افغانیؒ کے خیال میں عالم اسلام کے زوال کی بنیادی وجہ فکر اسلامی میں انحطاط ہے۔ان کے خیال میں دین اور فکر دینی دو منفرد تصورات ہیں۔اگر کسی دین کے فکر میں انحطاط رو پذیر ہو جائے ،تو اس کی تبلیغ و ترویج بھی بے معنی ہو جاتی ہے۔یہ فکری انحطاط، اسلامی تہذیب کے لیے جس کا دارومدار دین پر تھا، نہایت ہی مہلک ثابت ہوا۔

دراصل ہندوستان میں اسلام کی فکری اساس کی بنیادیں اورنگ زیب عالمگیرؒ کے عہد ہی میں کمزور ہونا شروع ہو گئی تھیں، گو اس مقتدر بادشاہ کی دلیرانہ شمشیر زنی کی وجہ سے اس پر پردہ پڑا رہا۔اورنگ زیب عالمگیر کی آنکھیں بند ہوتے ہی، اس کے کمزور اور نااہل جانشینوں کے دور حکمرانی میں ہر اطراف انتشار، نفاق اور ہوس کا بازار گرم ہو گیا۔ان نامساعد حالات میں مسلمانوں کے مذہبی، روحانی ،ثقافتی ،تمدنی، معاشی اور سیاسی زوال کے آگے بند باندھنے کے لیے جس فرد نے سر دھڑ کی بازی لگادی وہ شاہ ولی اللہ تھے۔انہوں نے بیک وقت تین محاذوں پر کام کیا۔ایک تو انہوں نے مسلمانوں کے سیاسی زوال سے پیدا شدہ صورت حال سے عہدہ برا ہونے کے لیے اقدام اٹھائے، دوسرے انہوں نے ہندی مسلمانوں میں ملی اتحاد کو فروغ دینے کے لیے بھرپور کوششیں کیں، تیسرے انہوں نے احیائے دین کے لیے ایک مثبت اور مربوط فکری اساس مرتب کی۔گو تاریخ کے جبر کے سامنے شاہ ولی اللہ کامیاب تو نہ ہوئے، مگر وہ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے لیے ایک مثبت فکری اور عملی لائحہ عمل چھوڑ گئے، جس پر عمل پیرا ہو کے، آج کے مسلمان اپنی جنت گم گشتہ کو دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں۔

پاکستان کی بقا و استحکام کا دارومدار کلی طور پر اسلام پر ہے۔اس لیے پاکستان کی روحانی اساس کو اجاگر کیے بغیر پاکستان کا استحکام ناممکنات میں سے ہوگا۔ چنانچہ پاکستان کے موجودہ دگرگوں حالات میں ایک فعال فکری تحریک کا اجرا ہی اس کی بقاء اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی ضمانت مہیا کرسکتا ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان بھر میں ایک فکری اورنظریاتی جال (network) قائم کردیا جائے۔اس فکری اورنظریاتی کام کوایک تحریک کی شکل دینے کیلئے حضرت علامہ اقبالؒ کا تصور روحانی جمہوریت ،نہایت کارآمد ثابت ہوسکتا ہے۔

اس فکری مناسبت کے سلسلے میں ایک نہایت ہی اہم کام،اسلامی نظام کے واضح خدوخال کے تعین کا ہے۔وہ کون سا اسلام ہے،جس کے بغیر ،حضرت علامہ اقبال کی نظر میں سیاست،،چنگیزی،، بن جاتی ہے اور وہ کون سا اسلام ہے،جس کو ہمارے ملا ''فی سبیل اللہ فساد'' بنادیتے ہیں۔ بے شک اگر ''نفاذ اسلام'' کا مطلب ملاؤں کا اپنا اپنا اسلام رائج کرنا ہے،تو اس سے اللہ تعالیٰ کی خوش نودی اور فلاح عامہ تو درکنار، ہمارے ہاتھ درماندگی، انتشار اور اللہ جل وجلالہ کی ناراضگی کے علاوہ کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ قوم کو صحیح فکری راہ پر گامزن کیا جائے ۔مگر ایسا کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے کیوں کہ صدیوں پر محیط ملوکیت اور سامراجی تسلط نے مسلمانوں کو ذہنی غلامی اور فکری جمود میں اسیر کررکھا ہے اور وہ اس کی زنجیروں سے ابھی تک پوری طرح آزاد نہیں ہوپائے ۔صدیوں کی سیاسی غلامی نے ہماری قومی خوداعتادی، اخلاقی قوت اور اجتماعی مورال کو پامال کردیا ہے۔ہم میں روحانی بصیرت باقی رہی ہے نہ ہی حریت فکر۔ چنانچہ پوری کی پوری قوم یا تو اسلاف کی نقالی میں مگن ہے یا پھر مغربی افکار کو اپنا کے مغرب کی متعین کردہ راہوں پر گامزن ہے ہمارے لیے سوچنے کا مقام ہے کہ کس طرح قوم کو اس کی خواب گراں

سے جھنجھوڑ کر روحانی تعمیر نو کی راہ پر گامزن کر دیں۔

پاکستانی معاشرہ ایک طرف رجعت پسند، مقلد اور متشدد اور دوسری طرف آزاد خیال، مغرب زدہ اور فرنگی گزیدہ گروہوں میں بٹا ہوا ہے۔ کوئی بھی گروہ ایسا نہیں جو کسی مثبت طریقے سے اسلام کی ایک وسیع النظر، روشن خیال اور متحرک تعبیر کر رہا ہو۔ پاکستان کی روحانی تعمیر نو اسلام کی ایک وسیع النظر، روشن خیال اور متحرک تعبیر کے بغیر ممکن نہیں۔ اس کے لیے مسلمانوں کے مسخ شدہ عقائد اور ناقص فہم دین کی اصلاح ضروری ہے۔ اس سلسلے میں سب سے اہم کام پاکستان کو ''جھوٹ'' کی وباء سے نجات دلانا ہے۔ دراصل سچائی ہی روحانی جمہوریت کی بنیادی اساس ہے اور اسی سے عقل و دانش کی بالا دستی، اظہار رائے کی آزادی اور صحت مند اخلاقی اور جمہوری روایات قائم ہوتی ہیں۔ اس کے برعکس ماضی پرستی اور شخصیت پرستی، جو کہ بت پرستی کی ہی ایک شکل ہے، جو قومی فکر کو نئے زمان و مکاں کی طرف حرکت دینے کی بجائے، ماضی کے فرسودہ تصورات میں جامد و منجمد کر دیتی ہیں۔ ماضی کے ساتھ ایک تخلیقی تعلق رکھنا ایک بات ہے اور ماضی میں ہی گم ہو کے رہ جانا دوسری بات۔ ایک زندگی ہے اور دوسری موت۔

اس وقت پاکستان مختلف انواع کی مشکلوں میں گھرا ہوا ہے۔ بھارت اور مغربی طاقتیں ہماری جان کے درپے ہیں۔ ان حالات میں ہمارے لیے یہ نہایت ہی ضروری ہے کہ ہم اپنے فکر اور اعمال کا بے لاگ محاسبہ کریں تا کہ ہم یہ جان سکیں کہ کہاں کہاں پر ہم پے در پے غلطیاں کر رہے ہیں اور حتی الوسع ان کے ازالہ کی کوشش کریں۔ ایسا محاسبہ کیے بغیر ہم اپنے دشمنوں سے نبرد آزمانہ ہو سکیں گے۔ اسلام کی ظاہری محبت کا دم بھرتے ہوئے، خود ستائی میں مبتلا رہنا منافقت ہی کی ایک شکل ہے۔ اگر اسلام سے حقیقی محبت ہے تو ہمیں اپنا بے رحم محاسبہ کرنا ہوگا دوسری طرف دشمن کی سوچ کا صحیح اندازہ لگا کر ہی اپنا ردعمل متعین کرنا ہوگا۔

اس سلسلے میں اپنے فکر کو مجتمع کرنے کے لیے مندرجہ ذیل سوال اٹھائے جارہے ہیں۔

(۱) جس وقت ہم اسلامی عالمگیر اخوت کے نام پر یہ کہتے ہیں:

ہر ملک ملک ما است کہ ملک خدائے ما است

تو غیر اقوام اسے ''محبت کی جہانگیری'' کے پیرائے میں نہیں، بلکہ اسلامی سامراج کی شکل میں دیکھیں گی، خاص طور پر جب جہاد فی سبیل اللہ ہماری امت کا طریق زندگی ہے۔

تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جوان ہوئے ہیں
خنجر ہلال کا ہے قومی نشان ہمارا

روئے زمین کو مسجد کہنے میں مغرب کو ہماری عبادات سے کوئی خطرہ نہیں، تلواروں سے ہے۔

(۲) ہمارے یہ کہنے سے کہ ''امت مسلمہ علاقے اور ملک کی حدود سے بالاتر ہے، توحید اس کی اساس ہے اور کعبہ اس کا مرکز اور محور'' اقوام غیر اس میں بڑا خطرہ محسوس کرتی ہیں، بالخصوص جب کہ مغربی طاقتوں کا نقطہ نظر یہ ہے کہ آفاقیت کے ٹھیکیدار وہ ہیں نہ کہ ہم۔

(۳) ہر وہ زمین ملت اسلامیہ کا وطن ہے، جس میں مسلمان اشتراک ایمان کی بنیاد پر متحد ہو کر اسلامی معاشرہ قائم کریں'' (زندہ رود)۔ ہمارے اسی انداز فکر سے مغرب خوفزدہ ہے۔

(۴) حکومت الٰہیہ کے قیام یا ظلم کے خلاف جہاد اور کشور کشائی کے لیے جنگ میں عملیاتی سطح پر کتنا فرق ہے؟

(۵) ہمارے علماء کی اسلامی سوچ میں قوت کو بڑی فوقیت حاصل ہے۔ بقول علامہ اقبال مذہب قوت کے بغیر ایک فلسفہ ہے اور بقول مولانا ابوالاعلیٰ مودودی ''تقویٰ کے بغیر قوت ظلم ہے جبکہ قوت کے بغیر تقویٰ بے معنی ہے'' حاکم کا اصل سرمایہ طاقت ہوتی ہے۔ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ زیادہ تر طاقت آفاقیت کے لیے نہیں بلکہ ذاتی اور قومی مفادات کے لیے ہی استعمال ہوئی ہے۔

(۶) نیک تمنائیں حالات کو نہیں بدلتیں۔

(۷) اگر پاکستان اسی دن بن گیا تھا جس دن محمد بن قاسم نے ساحل سندھ پر قدم رکھا تھا،تو اب پرابلم کیا ہے؟ بقول ڈاکٹر اسرار احمد اسلام ہندوؤں کو فتح کر سکتا ہے،تو مسلمانوں کو فتح کرنے میں کیوں ناکام ہے۔

(۸) قدامت پسند علماء کو روشن خیال کیسے بنایا جائے، جو جدید تقاضوں کے مطابق اسلام کی تعبیر کرسکیں؟ (اقبال)

(۹) کیا ایک روحانی سیکولر نظام ممکن ہے؟ ایک دینی اور سیکولر انسان میں بنیادی فرق کیا ہے؟ پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا، مگر بنگلہ دیش سیکولرازم کے نام پر علیحدہ ہو گیا۔ کیا اب بنگالی ہم سے کم تر مسلمان ہیں۔

(۱۰) کیا انسان مذہب کے جھمیلوں سے آزاد ہو کر صرف عقل کے زور پر ترقی کرسکتا ہے۔

(۱۱) جدید ریاست میں ''اللہ کی حاکمیت'' اور ''ملت آدم'' کے تصور کے مضمرات کیا ہوں گے؟

(۱۲) کیا ہمارا واحد مقصد سیاسی اقتدار کا حصول ہے، خواہ یہ اسلام کے نام پر ہو یا سیکولرازم کے نام پر؟

۱۳) ہمارے مسائل کا اصل سبب اپنے دین سے دوری ہے یا اپنے اپنے مسلک سے شدید لگاؤ؟

۱۴) مغربی جمہوریت سے روحانی جمہوریت کی طرف سفر کے مضمرات کیا ہوں گے؟

۱۵) کسی نظریہ کو ہم عینیت پسندی کا لبادہ پہنا کر اس کی عملی خامیوں کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔

۱۶) روحانی جمہوریت میں اسلام ایک آفاقی دین کی حیثیت اختیار کرتا ہے۔ اس میں اور علماء کے تصور اسلام میں کیا فرق ہے؟

ہمارا بنیادی مسئلہ دراصل یہ ہے کہ ہمارے تعلیمی، سماجی اور دینی ادارے ایسے روشن ضمیر، درخشاں جبیں اور دلکش مسلمان پیدا نہیں کر پا رہے، جن کو دیکھنے کا ہم میں سے کوئی خواہش مند ہے۔ مدارس، مساجد اور خانقاہیں تو موجود ہیں، مگر ان میں فکر و دانش اور وجدان کی شمعیں گل ہو چکی ہیں۔ اگر ہم مندرجہ بالا چبھتے ہوئے سوالات پر تہہ دل سے غور کرنے کے لیے تیار ہو جائیں تو شاید ہمیں اپنا کھویا ہوا راستہ مل جائے۔

سیرت النبی ﷺ اور ہمارا طرز زندگی

(عبدالقیوم ہاشمی)

عظمت مصطفیٰ ﷺ کے اعتبار سے یہ بات ہمیں اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ آپ ﷺ کی عظمت کا بیان کرنا تو درکنار اس کا شعور و ادراک اور فہم بھی ہمارے لیے ناممکنات میں سے ہے۔ سادہ سی بات ہے کہ ایک ڈاکٹر یا سائنس دان کے علم و کمال کے مرتبے کو کوئی ڈاکٹر یا سائنسدان ہی بہتر سمجھ سکتا ہے۔ لہٰذا ایک نبی کا کیا مقام و مرتبہ ہے؟ یہ صرف کسی نبی ہی کے لیے ممکن ہے کہ اس کا اندازہ کر سکے کسی غیر نبی کے لیے یہ عقلاً محال ہے۔ ظاہر ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ سے بالا مقام کسی نبی کا نہیں لہٰذا کسی نبی اور رسول کے لیے بھی یہ ممکن نہیں کہ حضور پاک ﷺ کے مقام کا تعین کر پائے۔ لہٰذا یہ بات واضح ہو گئی کہ ہم صرف آپ ﷺ کی فرمانبرداری اور آپ ﷺ کی سیرت اور اسوہ حسنہ کی پیروی کرنے تک محدود ہیں، عظمت مصطفیٰ ﷺ کی حقیقت اور مرتبہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جان سکتا۔ اسی بات کو غالب نے بڑے خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔

ترجمہ: کہ ہم نے حضور اکرم کی مدح و تعریف کو خدا کے حوالے کر دیا ہے۔ ہم اس کی کوشش ہی نہیں کرتے کیوں کہ وہی ذات پاک محمد الرسول ﷺ کے اصل مقام و مرتبے سے واقف ہے''

شاعر دربار مصطفیٰ ﷺ حضرت حسان بن ثابتؓ نے درج ذیل اشعار میں جو آپ کی مدحت فرمائی ہے وہ شان مصطفیٰ ﷺ میں حرف آخر ہے۔

و احسن منک لم ترقط عینی
(آپ ﷺ سے زیادہ حسین کسی کی آنکھ نے کبھی نہیں دیکھا)

واجمل منک لم تلد النسا
(اور آپ ﷺ سے زیادہ حسن و جمال کا پیکر کسی ماں نے جنا ہی نہیں)

خلقت مبرا من کل عیب
(آپ ﷺ تو ہر قسم کے عیب سے پاک پیدا کیے گئے ہیں)

کانک قد خلقت کما تشا
(گویا کہ آپ ﷺ جیسا چاہتے تھے ویسے ہی آپ کی تخلیق کی گئی)

اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اور مقرب لوگوں میں شامل ہونے کے لیے ہر شخص کو اللہ کی محبت درکار ہے اور حصول محبت الٰہی کے لیے واحد وسیلہ آپ ﷺ کا اسوہ حسنہ کی پیروی کرنا یعنی آپ ﷺ کی اتباع اور نقش قدم پر چلنا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰه

ترجمہ: اے پیغمبر ﷺ ان لوگوں کو بتا دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میرے نقش قدم پر چلو اللہ تم سے محبت کرے گا"۔

اس آیت مبارکہ سے یہ واضح ہوا کہ ہر شخص کا اللہ کے ہاں مقام و مرتبہ کا تعین بھی رسول کریم ﷺ کی اتباع سے مشروط ہے۔ اس لیے ہمارے ایمان اور یقین میں اضافہ اسی قدر ہو گا جس قدر ہم نبی کریم ﷺ کے اسوہ مبارکہ اور نقش قدم پر چلیں گے۔ چنانچہ اللہ کے پسندیدہ بندوں میں شامل ہونے کے لیے ہماری تمام تگ و دو نبی کریم ﷺ کے اوصاف کو اپنی شخصیت کا حصہ بنانے میں صرف ہونی چاہیے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے لوگوں

نے حضور اکرم ﷺ کے اخلاق کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا: ''کیا تم نے قرآن کا مطالعہ نہیں کیا! حضور اکرم ﷺ کا اخلاق (اوصاف) قرآن ہی ہے۔ گویا قرآن کے معیاری و مثالی اور کامل نمونہ انسان کی مثال حضور اکرم ﷺ کی ذات پاک ہے۔ اسی لیے تمام مومنین کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے نقش قدم پر چلیں تاکہ اللہ کے محبوب بندوں میں شامل ہو جائیں۔ مختصر طور پر وہ قرآنی حوالہ جات پیش ہیں جن میں واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان اور مومن کی ذات میں اعلیٰ اخلاقی صفات دیکھنا چاہتے ہیں۔ کیوں کہ حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات میں خدا کے مقبول و مقرب بندے انہی لوگوں کو قرار دیا گیا ہے جو حسن نیت، حسن عمل اور پاکیزہ اخلاق سے آراستہ ہوں۔ آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں میں کامل ایمان اس کا ہے جس کا اخلاق بلند ہے۔

سورۃ فرقان میں اللہ کے پسندیدہ بندوں کی تصویر کچھ اس طرح کھینچی گئی ہے۔

وہ زمین پر نرم روی کی چال اختیار کرتے ہیں

جب جاہلوں سے واسطہ پڑ جائے تو سلام کہہ کر کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔

وہ راتوں کو جاگ کر اللہ کی بندگی بجالاتے ہیں۔

وہ خرچ میں نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل، بلکہ میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔

وہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتے۔

وہ ناحق کسی کی جان نہیں لیتے

وہ بدکاری یعنی زنا سے اجتناب کرتے ہیں

وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے

وہ فضول ولغو باتوں سے بچتے ہیں۔

سورۃ مومنون میں قرآن کے مطلوبہ انسان کی تصویر یوں دی گئی ہے۔

ان کی نمازوں میں خشیت الٰہی کا رنگ غالب ہوتا ہے۔

وہ اپنی آبرو اور عصمت کی حفاظت کرتے ہیں۔

وہ امانتوں اور وعدوں کے امین ومحافظ ہوتے ہیں

سورۃ توبہ میں انکا نقشہ کچھ اس طرح پیش کیا گیا ہے۔

وہ اپنے گناہوں پر توبہ کرنے والے ہوتے ہیں۔

اللہ کی حمد کے خوگر ہوتے ہیں

وہ اللہ کی راہ میں گھروں سے نکلتے ہیں

وہ رکوع وسجود کرتے ہیں

وہ بدیوں کی روک تھام کرتے ہیں۔

وہ اللہ کی مقرر کردہ حدود کے سختی سے پابند ہوتے ہیں۔

سورہ شوریٰ میں اہل ایمان کے اوصاف کچھ اس طرح بیان ہوئے ہیں۔

وہ اپنے رب پر کامل بھروسہ رکھتے ہیں اور بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے اجتناب کرتے ہیں۔

وہ غصہ کی حالت میں معاف کردیتے ہیں۔

وہ اپنے پروردگار کی پکار پر جواب دیتے ہیں۔

نماز ادا کرتے ہیں۔

ان کے کام باہمی مشاورت سے سرانجام پاتے ہیں

جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

جواللہ کی راہ میں لڑتے اور انتقام حق لیتے ہیں برائی کا بدلہ اس قدر ہے اور اگر کوئی معاف کر دے اور نیکی کرے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے۔

قرآن اور معلم قرآن ﷺ نے مزید جو صفات بیان کی ہیں کہ اللہ کے پسندیدہ بندے وہ ہیں:

جو صحبت صالح اختیار کرتے اور بھلے لوگوں کے ساتھ رفاقت رکھتے ہیں۔وہ باہمی محبت کرنے والے،صدقہ وخیرات میں سبقت کرنے والے،کھرے،حق گو،نفاق سے پاک،صابروشاکر،وفاشعار،بلند اخلاق،نرم خواور اللہ کے کلمے کو بلند (یعنی قرآن کے پیغام کو پھیلانے میں)محنت اور کوشش کرتے ہیں۔ان خوبیوں کے ساتھ جن برائیوں سے وہ سختی کے ساتھ بچتے ہیں،ان کا ذکر بھی جابجا کیا گیا ہے۔

جھوٹ،غیبت،بدگوئی،بدگمانی،سوءظن،وعدہ خلافی،الزام تراشی، خوشامد،بخل،حسد،کینہ سے اس طرح بچتے ہیں جس طرح سارے انسان سانپوں سے بچتے ہیں۔الغرض قرآن کا پسندیدہ انسان دین سے مخلصانہ محبت کا حامل ہوتا ہے۔اوراس کے لیے ہر طرح کی قربانی دے سکتا ہے۔وہ دین کی معرفت یعنی علم دین حاصل کر کے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے احکام سے آگاہ ہوتا ہے۔وہ دین کے راستے میں ہر مشکل وقت میں استقامت دکھاتا ہے۔اور دینی خدمات میں دوسروں سے سبقت حاصل کرنے کی سعی کرتا ہے۔یہ ہیں وہ چند قرآنی مطلوبہ صفات جو اگر کوئی شخص اپنے اندر پیدا کرلے تو حقیقی معنوں میں اللہ اور رسول کریم ﷺ کا پسندیدہ انسان بن جاتا ہے۔اب یہ ہر انسان کو چاہیے کہ مذکورہ خوبیوں کو اپنے اندر بتدریج بڑھاتا جائے اور برائیوں کو اپنے اندر کم کرتا جائے یہی وہ قرآنی اوصاف ہیں جو سیرت مصطفیٰ ﷺ میں کمال درجہ تک پہنچے اور تمام انسانیت کے لیے بالعموم اور مسلمانوں کے لیے بالخصوص اسوہ حسنہ بنے اس لیے ہمارا طرز زندگی اس نہج پر ہونا چاہیے۔سیرت مصطفیٰ ﷺ ہم سے یہی تقاضا کرتی ہے۔

احترام آدمیت

(اشفاق احمد)

آج تک تو ہم بیشتر بابوں کے بارے میں ذکر کرتے آئے ہیں ۔ مجھے ایک چھوٹے سے بچے کی یاد بہت ستا رہی ہے جو ایک مرتبہ اپنے ماں باپ کے بغیر ، اور شاید ان سے اجازت لیے بغیر ڈیرے پر آ گیا تھا، وہ گول مٹول سا، پیارا سا بچہ تھا۔ بڑا ابنا ٹھنا تھا، اور آ کے بابا جی سے روتے ہوئے کہنے لگا، کہ مجھے اپنے ابا جی سے اختلاف، شکایت ہے، میں شکایت لگانے آیا ہوں تو انہوں نے پوچھا، ابا جی سے ایسی کیا شکایت ہے بیٹا، بیٹھو۔ کچھ لو کھاؤ پیو، مٹھائی وغیرہ رکھی تھی نا۔ تو اس نے کہا نہیں میں کوئی چیز نہیں کھاؤں گا۔ پوچھا ، شکایت کیا ہے۔ اس نے کہا، یہ بھی نہیں بتاؤں گا میں۔ بس مجھے ہے۔ وہ آپ کے پاس آتے ہیں ، اور بڑا دعویٰ کرتے ہیں، محبت کا اور شرافت کا، لیکن وہ ان میں ہے نہیں ۔ السلام علیکم کہہ کر وہ وہاں سے چلا جاتا ہے۔ تو بابا جی نے کہا، اس کے پیچھے جائیں اور اس کو منا کر لائیں، لیکن وہ بڑے غصے میں تھا، چوتھی پانچویں کا لڑکا ہوگا، لیکن رکا نہیں، اور وہ چلا گیا، اور اس کے بعد کچھ پتا نہیں چلا ۔ اور نہ یہ پتا چلا کہ اس کے والد کون ہیں اور کس کے خلاف شکایت لے کر آیا تھا۔ لیکن وہ شکایت ہمارے ذہن کے رجسٹروں میں درج کر گیا، اور ظاہر ہے ہم اس کا کوئی قلع قمع نہ کر سکے، کیوں کہ یہ پتا نہیں تھا کہ وہ کدھر سے آیا ہے۔ تو میں اس کی یاد میں جو کہ بڑی دیر کے بعد آئی ہے، اور اب وہ کہیں اللہ کے فضل سے بڑے عہدے پر ہوگا، یا کوئی تاجر ہوگا، یا سیاست میں داخل ہو چکا ہوگا۔

ہوا یہ کہ ہم پاکستان بنا چکے تھے، اور وہ زمانہ درمیانی مدت کا زمانہ تھا، یعنی ہمیں کچھ آدھا وقت گزر چکا تھا بیس بائیس سال۔ اور ہم لوگ competition کے میدان میں اتر چکے تھے مسابقت کے میدان میں، مقابلہ کے میدان میں اور ہم competition کو ہی اپنی زندگی کا معیار اور ذریعہ بنا چکے تھے۔ شرافت کا نجابت کا، آگے بڑھنے کا، یہ جانتے ہوئے کہ competition جو ہے، یہ تخلیقی صلاحیت کی راہ میں ایک بہت بڑا پتھر ہے۔ ایک آدمی کے اندر جو تخلیقی صلاحیتیں ہوتی ہیں نا۔ کچھ کرنے کی، کچھ کر گزرنے کی صلاحیت، لیکن وہ competition میں اپنا آپ بھی بھلا چکا ہوتا ہے۔ وہ پھر ایک انسان نہیں رہتا، وہ competition کی ایک مشین بن جاتا ہے۔ اور دن رات اسی میں الجھا رہتا ہے۔ وہ ساری صلاحیتیں جو انسان میں ہوتی ہیں، وہ ماؤف ہو جاتی ہیں۔ بظاہر یہ بات نظر نہیں آتی وجہ یہ ہے، جب بھی آپ competition کرتے ہیں، وہ انسان کے خلاف کرتے ہیں۔ کبھی بھی کسی پتھر کے، کھمبے کے، سٹریٹ لائٹ کے، پل کے خلاف نہیں کرتے۔ بھینس کے خلاف آپ نے کبھی competition نہیں کیا، جب بھی کرتے ہیں انسان کے خلاف کرتے ہیں۔ اور جب انسان کے خلاف کرتے ہیں، اور آپ کامیاب ہو جاتے ہیں، اور کامیاب ہو کر تین بندوں کو گرا دیتے ہیں۔ تو پھر پوچھتے ہیں کہ آپ تو کامیاب ہو گئے۔ اسلام میں Competition کی spirit, یہ صورت بالکل منع ہے۔ ایک ہی اجازت ہے، اور وہ ہے تقویٰ کے لیے، آپ اس میں مسابقت کر سکتے ہیں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ ہونے میں مسابقت، پیسے کمانے میں، خوبصورت بننے میں، شیمپو اعلیٰ درجے کا استعمال کرنے میں، کپڑے استعمال کرنے میں، یہ کوئی کمال کی بات نہیں۔ لیکن آدمی اس میں competition کرتا ہے۔ میری بچیاں کہتی ہیں کہ نہیں دادا یہ تو قمیض ہم پہن کے نہیں جائیں گی، یہ تو پہلے بھی

ہم پہن کے گئی تھیں، سہیلی کی مہندی پر۔ یہ ہماری بے عزتی ہے۔ایک دفعہ پہن لی، کیوں کہ یہ competition ہے۔زندگی کے جو زمینی competition ہیں وہ انسان کو بڑا تنگ کرتے ہیں،اوراس کی صلاحیتوں کے اوپر ایک جال ڈال دیتے ہیں۔

آپ کو اندازہ نہیں ہوگا، آپ تو سمجھتے ہیں کہ competition بہت healthy فضا میں پیدا ہوا۔کوشش ،جدو جہد،سٹرائیو strive سٹرگل، بھاگ دوڑ یہ ساری کی ساری آپ کے اندر انا اور تکبر پیدا کرتی ہیں۔آپ دیکھیے امریکہ کو۔آپ کے سامنے مثال ہے، کتنی بھاگ دوڑ کرتا ہے، کتنا تر دو کرتا ہے، کتنا competition کرتا ہے، کتنا اعلیٰ درجے کا ملک ہے،اور کیسا متکبر ہے۔کسی کی کوئی بات بھی خاطر میں نہیں لاتا۔کہتا ہے، جو میں فیصلہ کرتا ہوں، وہی ٹھیک ہے، جو میں نے حکم دے دیا عراق کے بارے میں۔وہ ٹھیک ۔تو یہ بہتر انسان ہونے کی خاصیت نہیں ہے۔ اسی لیے ہمارے یہاں حکم ہے کہ آپ competition نہیں کر سکتے ہیں۔مثلاً ایک عجیب سی بات آپ سے کرنے لگا ہوں، آپ کے چہرے دیکھ کے۔امید ہے آپ انشاءاللہ تعالیٰ اتنا برا نہیں مانیں گے، جتنا عام لوگ مانتے ہیں۔ایک بچہ کلاس میں فرسٹ آتا ہے کوئی تیس بچوں کی کلاس میں سے اب وہ تو فرسٹ آ گیا اور تیس بچے جو ہیں وہ تو down، وہ تو منہ کے بل گر گئے نا، زمین پر، اور ان کو شرمندہ ہونے کا موقع ملا۔تو میرا دین پوچھتا ہے کہ یہ بھی تو human being ہیں۔یہ انسان ہیں۔ان کا کیا بندوبست آپ نے کیا ہے۔آپ نے تو ایک دکان بنالی، اور بڑے کمال کی چلالی۔ایک لاکھ روپیہ روز کمانے لگے اور باقی کے بھی بندے آپ کے اردگرد رہتے ہیں۔ان کو بھی زندہ رہنا ہے۔یہ بھی اللہ نے پیدا کیے ہیں، جس طرح آپ کو حیات ملی ہے، ان کو بھی زندگی ملی ہے۔آپ کون ہوتے ہیں اس کے اوپر تکبر کرنے والے کہ جناب ہم نے بہت بڑا کمال کیا۔تو یہ بندے کو پتا ہی نہیں چلتا کہ وہ competition کی دنیا میں داخل ہو کر اپنی انسانی صلاحیت اور انسانی تخلیقی قوت جو ہے، اس کو دبا دیتا ہے۔یہ آج میں، بہت

عجیب بات آپ سے کر رہا ہوں، جو کہ عام طور پر نہیں کی جاتی ہے۔اس وقت ہم تو یہی کہتے ہیں کہ competition ہمارا بہت اچھا ہے ۔تو باقی کے بندے کیا کریں؟ کیا وہ مرتے ہیں تو مریں اور یہ بات میں نے اس لیے شروع کی کہ پہلے تو یہ بڑوں میں بات تھی، اب یہ ہمارے گھروں میں پہنچ چکی ہے۔اور میں نے Recently دیکھا کہ یہ بات بچوں میں بھی اتاری گئی ہے اور بچے جو پڑھتے ہیں آپ جیسے ان کو بہت شرمندہ کیا جاتا ہے۔اس طرح سے شرمندہ کیا جاتا ہے کہ میں آپ کو اس کی مثال یہ دیتا ہوں کہ میرے گھرانے میں جو پڑھے لکھے لوگوں کا گھرانہ ہے میں نے اپنے بہت قریبی عزیز جو میرے بچوں کی طرح مجھے عزیز ہے،وہ لڑکا اپنی بہن سے یہ کہہ رہا تھا اپنے بھانجوں کے بارے میں کہ'' آپا تیرے منڈے دے کنے نمبر آئے نیں''لڑکا بھی وہیں کھیل رہا تھا۔اس نے کہا اسکےتو 680 نمبر ہیں کہنے لگا،اوہ یہ کوئی نمبر ہیں۔پھر کہنے لگا،میرے لڑکے نے لیے ہیں اور وہا کے لیے ہیں ۔ 730،ٹھیک ہے۔کہنے لگا 730 ۔آپا نمبر ہی نمبر کر دیئے ۔گھر میں نمبر،اوپر نمبر،چوبارے میں نمبر،وہ کیا سیڑھی پر نمبر،ہمارے برامڈوں میں نمبر ہی نمبر۔میرے کان کھڑے ہوئے، جب اس نے کہا تا کہ ہر جگہ نمبر ہی نمبر بکھرے ہوئے ہیں ، ہمارے گھر میں ۔میں نے کہا، شاید پتا نہیں یہ کیا بات کر رہا ہے،پھر میں نے اس کی بات غور سے سنی،اور میں نے محسوس کیا کسی خوفناک بیماری کا انجکشن دے کر کوئی اس بے چاری کو جو میری نواسی ہے،چلا جا رہا ہے۔ تو میں نے اس کو بلا کر کہا یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔اس پر میری بھانجی بولی ،نانا یہ تو بڑی خوبی کی بات ہے اس نے زیادہ نمبر لیے تو آپ فخر کریں ۔میں نے کہا،اس نے زیادہ نمبر لیے لیکن کسی ایسے باپ پر فخر کرنا نہیں چاہیے،وہ بھی انسان ہے،وہ تیری سگی بہن ہے،اس کا بھی دل ہے، اس کا بھی گھر ہے،اس کا بھی بچہ ہے،جیسے بچہ تجھے عزیز ہے،ویسے ہی اس کو عزیز ہے ۔اس نے کہا،نہیں جی اگر کوئی کمزور ہوگا تو ہم تو اسے شرمندہ کریں گے۔کہنے لگا دیکھیں اللہ تعالیٰ نے میرے اوپر کتنا فضل کیا ہے۔میں کم از کم پانچ ہزار روز کا کماتا ہوں اور ہے کوئی ہمارے

خاندان میں ایسا آدمی ۔ وہ ایک اکیلا آدمی نہیں ہے ۔آپ اپنے اردگرد اپنے گھروں کے اندر، اپنے شہر کے اندر، دیکھیں ۔لوگ آپ کو، مجھے خوفزدہ کرنے کے لیے شرمندہ کرنے کے لیے کیا کیا طریقے استعمال کرتے ہیں، ایسے طریقے جن کی ممانعت ہے، جو ہمارے یہاں ایک حرام چیز تصور کیے جاتے ہیں ۔آپ نے کبھی اس کی طرف دھیان ہی نہیں دیا۔آپ نے کبھی انا اور تکبر کے بارے میں سوچا ہی نہیں، آپ یہ competition کرنے والے، مسابقت کرنے والے، یہ سمجھتے ہیں کہ تکبر کا جو گناہ تھا، وہ تو ابلیس نے کرلیا، اللہ تعالیٰ کے سامنے، ہم تو بالکل تکبر نہیں کرتے ۔ یہ تو جی کھلے میدان ہم کام کرتے ہیں ۔دوسرا ابھی ہے تو میدان میں آئے ۔ہم کہتے ہیں کہ کسی وجہ سے دوسرا نہیں آسکے گا تو کیا تم اس کو شرمندہ کرنے کے لیے پیدا ہوئے ہو ۔تمہیں اللہ نے صرف یہ صلاحیت دی ہے ۔تم اپنا موبائل ٹیلیفون لٹکا کے سارے محلے میں اس لیے چلتے ہو، کہ میرے پاس موبائل ہے، اگر ہے اور اس کو سچ مچ استعمال کرتے ہو تو اسے بند رکھو، اس کو چھپا کے رکھو، کیوں اس غریب کو دکھاتے ہو جس کے پاس نہیں ہے ۔اگر تمہارے پاس اعلیٰ درجے کی کار ہے اور میرے پاس چھوٹی سی ہے تو تم مجھے کیوں شرمندہ کرتے ہو کہ لا کے میرے منہ کے آگے کھڑی کر دیتے ہو کہ اشفاق صاحب اپنی چھوٹی سی پدی گاڑی نہ نکال سکیں ۔ تو مجھے بھی زندہ رہنے کا حق حاصل ہے، یہ زمین میری بھی ہے، یہ ملک میرا بھی ہے، اور جو نعمت آپ کو اللہ نے عطا کی ہے، وہ مجھے بھی عطا کی ہے، اور پھر بیوقوف لو کو تم یہ سمجھتے ہو کہ سب کچھ تمہاری کوششوں سے، تمہاری جدو جہد سے، تمہارے competition سے، تمہاری بھاگ دوڑ سے تم کو ملا ہے؟ نہیں! یہ خدا کی عطا ہے ۔اس کا شکر ادا کرو، اور جوں جوں عطا میں اضافہ ہوتا جائے ،توں توں سرنگوں ہوتے جاؤ، نیچے جھکتے چلے جاؤ

علامہ اقبالؒ اور عالم اسلام کا اتحاد

(ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی)

حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ کی عظیم ملی خواہش، جس کی خاطر انھوں نے ہمیشہ بھر پور جدو جہد کی تھی کہ

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

سید جمال الدین افغانیؒ کی طرح علامہ محمد اقبالؒ کا نظریہ بھی یہی تھا کہ روئے زمین کے تمام مسلمان ایک وسیع تر نظریہ قومیت کے حامل ہیں۔ اس نظریہ کی بنیاد توحید ہے، جس کی پاسبانی کی خاطر پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد ﷺ نے تمام مسلمانوں کو ایک متحد قوم بلکہ جسد واحد بنا دیا تھا۔ دنیا کی دیگر اقوام اگرچہ اپنی جغرافیائی نسبتوں کے باعث پہچانی جاتی ہیں اور یہی ان کی شناخت کا ذریعہ ہیں، لیکن مسلمانوں کی شناخت صرف اور صرف ان کا نظریہ اسلام ہے، جس کی خاطر وہ دنیا میں زندہ رہتے ہیں اور مرتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے یہی نظریہ اپنے عہد کے مسلمانوں کو ذہن نشین کراتے ہوئے کہا تھا کہ

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تیری

علامہ ''ملت از وطن است'' کے بجائے خالص اسلامی نظریہ ''ملت از دین است'' کے مبلغ تھے۔ان کے نزدیک مصر میں رہنے والے مصری نہیں ہیں، ایران میں رہنے والے ایرانی نہیں، عرب میں رہنے والے عربی نہیں ہیں بلکہ یہ سب کے سب ''قوم رسول ہاشمی'' کے افراد ہیں

اسلام ترا دیس ہے،تو مصطفوی ہے

یہی وہ خالص اسلامی فکر ہے، جس کے باعث دنیا بھر کے مسلمان ایک متحدہ قوم اور ایک عظیم قوت بنتے ہیں۔اس فکر کے مطابق تمام عالم اسلام ایک جسد واحد کی حیثیت رکھتا ہے جس طرح پاؤں میں کانٹا چبھنے کی تکلیف انسان کا دل محسوس کرتا ہے اور اس کی آنکھ میں آنسو تیرنے لگتے ہیں۔

مبتلائے درد کوئی عضو ہو تو روتی ہے آنکھ
کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ

اسی طرح روئے زمین پر اگر کسی جگہ بھی مسلمانوں کو تکلیف پہنچے تو اس کی تکلیف پورے عالم اسلام کو ہونی چاہیے۔اس لیے کہ جسد واحد ہے اگر وہ یہ تکلیف محسوس نہیں کرتا،تو یہ بات اسلامی اخوت کے سراسر منافی ہے اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایسے معاشرے میں رہنے والے نام نہاد مسلمان اسلام کی روح سے بیگانہ ہیں۔علامہ کے نزدیک زوال و انتشار کی یہ موجودہ صورت حال پیدا کرنے میں مغربی حکماء کا بڑا حصہ ہے۔جن کی مسلسل سازشوں سے مسلمانوں کا یہ نظریہ اخوت مضمحل ہو گیا ہے۔علامہ مسلمانوں کو سازش سے خبردار کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

یہ ہندی وہ خراسانی، یہ افغانی وہ تورانی

تو اے شرمندہ ساحل اچھل کر بے کراں ہو جا

تو ابھی راہ گزر میں ہے قید مقام سے گزر

مصر و حجاز سے گزر، پارس و شام سے گزر

علامہ اقبال کے نزدیک ہر وہ شخص جو دل سے توحید و رسالت کا اقرار کرلیتا ہے، وہ ایک ایسی عظیم ملت کا فرد بن جاتا ہے جس میں رنگ، وطن، نسل اور قوم کی کوئی تفریق نہیں۔ وہ کالا ہو یا گورا، عربی ہو یا عجمی، امریکہ کا رہنے والا ہو یا جنوب کا، حصار اسلام میں داخل ہو جانے کے بعد اس کی نظر میں جغرافیائی حدود کوئی اہمیت نہیں رکھتیں، وہ ان تمام قیود و حدود سے رہائی پالیتا ہے اسلام کی برکت سے اس کے قلب و نظر میں بے کراں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی وہ وسعت تھی، جس کے باعث عرب سے ایک نوجوان محمد بن قاسم ایک مسلمان قیدی عورت کی فریاد پر لشکر جرار لے کر سندھ پہنچ گیا تھا اور یہی وہ روح تھی جس کی بدولت افغانستان سے احمد شاہ ابدالی، شاہ ولی اللہ کا خط ملتے ہی پانی پت کے میدان میں پہنچ گیا تھا غور کریں تو ہمارے دورِ عروج کی تاریخ ایسے واقعات سے بھری ہوئی ہے۔

اس نظریہ اسلام پر ایمان لانے کے بعد جب حضرت سیدنا سلمان فارسیؓ سے کسی قریش نے ان کا نسب پوچھا تھا، تو انہوں نے فرمایا تھا، "میرا نام ہے، "مسلمان بن اسلام' یعنی اسلام کا بیٹا ہوں۔ دولت اسلام سے مشرف ہونے کے بعد اب " فارس" سے نسبت میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ میرے لیے شرف کا باعث اگر کچھ ہے تو وہ صرف اور صرف اسلام ہے حضرت علامہ اقبالؒ کی تعلیمات کی روح بھی یہی ہے کہ مسلمان سن آف دی سوئل نہیں بلکہ سن آف اسلام ہے۔ نظریہ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی اگر کوئی وطن کو اپنا الٰہ بناتا ہے تو وہ اسلام کے نظریہ توحید سے سراسر بیگانہ ہے اس لیے کہ،

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے، وہ مذہب کا کفن ہے

عالم اسلام کے ہر مسلمان کے لیے علامہ کا پیغام یہ تھا کہ

نہ تو زمیں کے لیے ہے، نہ آسماں کے لیے
جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے
رہے گا راوی و نیل و فرات میں کب تک
ترا سفینہ کہ ہے بحر بے کراں کے لیے
درویش خدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی
گھر اس کا ہے دلی، نہ صفاہاں، نہ سمرقند
بتان رنگ وخون کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ ایرانی رہے باقی، نہ تورانی، نہ افغانی
جو کرے گا امتیاز رنگ وخون مٹ جائے گا
ترک خرگاہی ہو، یا اعرابی والا گہر

ایک مقام پر علامہ اقبالؒ مسلمانوں کو مغرب کے تصور وطن کا فرق یوں ذہن نشین کراتے ہیں۔

گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے۔

حضرت علامہؒ نے اپنی عمر کے آخری دور میں (بستر علالت پر) تین معرکہ آراء لڑائیاں لڑی تھیں۔ پہلی لڑائی قادیانیت کے خلاف، جس کے بانی مرزا قادیانی کے ذریعے استعمار نے جہاد کو متروک قرار دینے کی کوشش کی تھی۔ دوسری لڑائی کیمونسٹوں اور سوشلسٹوں کے خلاف تھی۔ مولانا حسین احمد مدنی نے جب کانگرس کے پلیٹ فارم سے یہ کہا کہ

"قومیں اوطان سے بنتی ہیں، تو علامہ اقبالؒ نے ان کے جواب میں صحیح اسلامی نقطہ نظر واضح کرتے ہوئے فرمایا: "اگر وطنیت کا جذبہ ایسا ہی اہم اور قابل قدر تھا تو رسول اللہ ﷺ کے ہم قوموں کو آپ ﷺ سے پرخاش کیوں ہوتی؟ کیوں رسول اللہ ﷺ نے اسلام کو ایک

ہمہ گیر ملت سمجھ کر بلحاظ قوم ابو جہل اور ابولہب کو اپنا نہ بنایا، اور کیوں نہ ان کی دلجوئی کرتے رہے۔ کیوں نہ عرب کے سیاسی امور میں ان کے ساتھ قومیت وطن قائم رکھی۔ اگر اسلام سے متعلق آزادی مراد تھی ،تو آزادی کا نصب العین تو قریش مکہ کے پیش نظر بھی تھا۔ حضور رسالت مآب ﷺ کے لیے یہ راہ بہت آسان تھی کہ آپ ﷺ ابولہب، ابوجہل یا کفار مکہ سے فرماتے کہ تم اپنی بت پرستی پر قائم رہو، ہم اپنی خدا پرستی پر قائم رہتے ہیں۔ مگر اس نسلی اور وطنی اشتراک کی بنا پر، جو ہمارے اور تمہارے درمیان ہے، ایک وحدت عربیہ قائم کی جا سکتی ہے۔"

تاریخ شاہد ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ راہ اختیار نہیں فرمائی۔ یہی وجہ تھی کہ اسلام قبول نہ کرنے کی وجہ سے ان کا سگا چچا (ابولہب) ان کی قومیت سے خارج ہو گیا اور حبش کا بلال اور روم کا صہیب (بدیسی ہونے کے باجود) ان کی قومیت میں شامل ہو گئے

علامہ اقبال جانتے تھے کہ وطنیت کا یہ بت مغرب کے سنگ سازوں نے تراشا ہے۔ استعماری قوتیں مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کر کے ان کی قوت کو ختم کرنا چاہتی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے پوری قوت سے آواز بلند کی کہ عصر حاضر کے مسلمان بت شکنی کا فریضہ انجام دینے کی خاطر اٹھ کھڑے ہوں اور وطنیت کے اس بت کو پاش پاش کر دیں۔

یہ بات کہ تراشیدہ تہذیب توئی ہے
غارت گر کا شانہ دین نبوی ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے، تو مصطفوی ہے
نظارہ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملا دے

وحدت ملی کو پارہ پارہ کرنے کی اس استعماری سازش کو حضرت علامہ اقبالؒ نے بروقت فاش کیا اور مسلمانوں کو بتایا کہ ''یورپ کی ملوکانہ اغراض اس امر کی متقاضی ہیں کہ اسلام کی وحدت دینی کو پارہ پارہ کرنے کے لیے اس سے بہتر اور کوئی حربہ نہیں کہ اسلامی ممالک میں نظریہ وطنیت کی اشاعت کی جائے۔ اگر بعض مسلمان اس فریب میں مبتلا ہیں کہ دین اور وطن بحیثیت سیاسی تصور کے یکجا ہو سکتے ہیں تو میں سب مسلمانوں کو بروقت انتباہ کرتا ہوں کہ اس راہ کا آخری مرحلہ لادینی ہوگا۔ اگر لادینی نہیں، تو اسلام کو محض ایک اخلاقی نظریہ سمجھ کر اس کے اجتماعی نظام سے بے پرواہی ہوگی'' (مولانا مدنی کے جواب میں بیان)

علامہ اقبال کے نزدیک اسلام ایک پرائیوٹ معاملہ نہیں بلکہ ایک سوسائٹی ہے۔ 21 مارچ 1932 کو لاہور میں مسلم کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں اپنی صدارتی تقریر میں انہوں نے فرمایا ''میرا عقیدہ ہے کہ اسلام ایک پرائیوٹ معاملہ یا رائے نہیں بلکہ وہ ایک سوسائٹی ہے۔ میں یورپ کی وطنیت کا مخالف ہوں۔ اس لیے نہیں کہ اگر اسے ہندوستان میں نشوونما پانے کا موقع ملے، تو مسلمانوں کے مادی فوائد کم ہوں گے۔ میری مخالفت تو اس بنا پر ہے کہ میں اس کے اندر ملحدانہ مادیت پرستی کے بیج دیکھتا ہوں۔ جو میرے نزدیک انسانیت کے لیے عظیم خطرہ ہے۔ حب الوطنی بالکل ایک طبعی صفت ہے اور انسانوں کی اخلاقی زندگی میں اس کے لیے پوری جگہ ہے لیکن اصل اہمیت اس کے ایمان اس کی تہذیب اور اس کی روایات کو حاصل ہے اور ان ہی کیلئے مرے، نہ کہ زمین کے اس ٹکڑے کے لیے جس سے اس کی روح کو کچھ عارضی ربط پیدا ہوگیا ہے۔''

جس طرح سورج مشرق سے طلوع ہونے اور مغرب کی طرف اپنا سفر جاری رکھنے کے باوجود مشرقی اور مغربی نہیں، اسی طرح ایک مسلمان کسی خطہ زمین سے طلوع ہونے

کے باوجود اپنی فطرت کے اعتبار سے "خاوری" ہے۔اسلام نے اسے ایک لازوال عالمگیر رشتۂ اخوت سے منسلک کر دیا ہے۔اس نظریہ کو علامہ نے جاوید نامہ کے صفحہ 69-68 میں بڑے اچھوتے انداز میں بیان کیا ہے۔

باوطن اہل وطن را نسبتے است
زاں کے زا خاکش طلوع ملتے است
اندر ایں نسبت اگر داری نظر
نکتہ بینی زمو باریک تر
گرچہ از مشرق برآید آفتاب
با تجلی ہائے شوخ و بے تاب است از سوز دروں
فطرتش از مشرق و مغرب بری است
گرچہ او از روئے نسبت خاوری است

1930ء میں مسلم لیگ کے اجلاس الٰہ آباد میں انہوں نے اپنے خطبہ صدارت میں اسی بات پر زور دیتے ہوئے فرمایا تھا۔"جماعت اسلامی کی ترکیب صرف اسلام ہی کی مرہون منت ہے کیوں کہ اسلامی تمدن کے اندر ایک مخصوص روح کارفرما ہے۔میرا مطلب، یہ ہے کہ مسلمانوں کا اندرونی اتحاد اور ان کی نمایاں یکسانیت ان قوانین و ارشادات کی مرہون منت ہے، جو تہذیب اسلامی سے وابستہ ہیں"۔

ملت مسلم کی اساس اسلام ہے جو توحید رسالت پر مبنی ہے اس کے اجزائے ترکیبی میں وطن کا مغربی تصور شامل نہیں۔ممکن ہے یہاں کسی ذہن میں سوال ابھرے کہ جب

مسلمانوں کا ایک ملت ہونا ثابت ہے تو اس ملت کا وطن کہاں ہے؟ تو اس کا جواب حدیث رسول ﷺ میں ہے کہ ساری روئے زمین میری مسجد ہے۔علامہ نے اسی کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا ہے۔

ہر ملک، ملک ماست
کہ ملک خدائے ماست

اکیسویں صدی کا آغاز ہوتے ہی استعماری قوتیں مسلمانوں کوان کی اصل راہ سے ہٹانے کے لیے ایک بار پھر کمر بستہ ہوگئی ہیں۔تہذیبوں کی اس موجودہ جنگ میں اب ہر مصطفوی کا قدم اس جانب اٹھنا چاہیے جواس کومنزل (یعنی اتحاد اسلامی) کے قریب تر کر دے۔اس لیے کہ اتحاد اسلامی ہی ہماری اصل قوت ہے۔عصر حاضر میں ہمارے لیے علامہ کا یہی پیغام ہے کہ۔

بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے، تو مصطفوی ہے
اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملا دے
نظریہ دیرینہ زمانے کو دکھا دے

حیاء: جزو ایمان

(محمد نواز رومانی)

آج ترقی کا زمانہ ہے اور اہل یورپ نے ترقی کے نام پر عورت کو گھر کی چاردیواری سے باہر نکالنا لازم قرار دے رکھا ہے تا کہ وہ مردوں کے شانہ بشانہ کام کرے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد وعورت کا ایک دائرہ کار مقرر کر رکھا ہے اور جب وہ اپنے اپنے دائرہ کار سے باہر نکلتے ہیں تو ہر جگہ بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔یہی قانون قدرت ہے۔

مغربی طرز حیات اس امر کی غماز ہے کہ جب عیش پسند لوگوں نے ترقی کا جھانسہ دے کر بھولی بھالی یا بیوقوف عورت کو گھر سے باہر نکالا تو پھر وہ ان کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ گئی اور ہنوز بن رہی ہے۔نتیجتاً وہ گھر کی رہی نہ گھاٹ کی۔مارتھ کیرولینا کی ایک ستر سالہ بوڑھی امریکی عورت نے جب "باہمی مل بیٹھنے"(get togather) کی محفل میں بے ساختہ کہا: "اگر آج میری جوانی واپس لوٹ آئے تو اسے اپنے والدین کے حوالے کردوں کہ جس کے چاہو پلے باندھ دو۔" تو یہ فقرہ درد کی انگنت کہانیاں سنا گیا۔یہ ایک فقرہ چیخ چیخ کر بہ بانگ دہل کہہ رہا تھا کہ اے لوگو!تم کیا جانو کہ میں ان ستر سالوں میں کن المناک المیوں ،کن اذیتوں، کن گناہ آلود تجربوں، کن شعلہ بداماں دوزخوں،کن ذہنی و جذباتی الجھنوں، کن افسردگیوں، کن بے حیائیوں کے پلوں، کن آوارگیوں کی گھاٹیوں، کن خرافات کی وادیوں اور دوستوں کی کن بیوفائیوں سے گزری ہوں اور میرے اٹیچی کیس میں طلاق کے کتنے ہی کاغذ موجود ہیں جن کو دیکھ کر میں اکثر ماضی کے واقعات میں کھو کر آٹھ آٹھ آنسو بہاتی ہوں اور یہی حال مغرب کی صرف ایک عورت کا نہیں بلکہ سب ترقی نسواں اور نام نہاد

ترقی کی ناگنوں کی ڈسی ہوئی ہیں اور مسلسل ڈستی چلی جا رہی ہیں۔مگر ماحولیاتی شکنجوں اور قدروں میں وہ اس قدر جکڑی ہوئی ہیں کہ اب ان سے باہر نکلنا ان کے بس کا روگ نہیں ہے بلکہ وہ نت نئے جالوں میں پھنستی چلی جا رہی ہیں۔

سیکولر ترکی جس کو"یورپ کا مرد بیمار" کہتے ہیں وہاں مصطفیٰ کمال پاشا نے یورپ کی تقلید میں ڈنڈے کے زور پر عورت کو گھر سے باہر نکالا۔آج وہاں یورپ کی غیر مسلم اور ترک کی نام نہاد مسلمان عورت کے ظاہری لباس، شکل و شباہت اور رہن سہن میں کوئی فرق نہیں ہے۔متعدد بہ اکثریت کو نماز نہیں آتی بلکہ اکثر خواتین کسی شخص کو نماز پڑھتے دیکھ کر حیران ہوتی ہیں کہ یہ کیا عجیب حرکتیں کر رہا ہے۔وہاں کی عالیشان خوبصورت مساجد کے درو دیوار سے ویرانی اور اداسی ٹپکتی ہے۔معدودے چند بوڑھیوں اور خال خال نو جوان نمازیوں کے یہ مسجدیں نام کی آباد ہونے کے باوجود غیر آباد ہیں اور اپنے ماضی کی شان پر نوحہ کناں ہیں۔

حیا یہاں بھی ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔شاید پورے ترکی ملک میں کہیں کہیں کسی کونے کھدرے میں منہ چھپائے بیٹھی مسلمان عورت کی حالت زار پر آنسو بہا رہی ہو۔اہل مغرب کی انتہائی کوشش ہے کہ مسلمان عورت بھی مغربی عورت کی طرح شرم وحیا کی چادر کو اپنے جسم سے اتار دے۔

حضرت فضل شاہ قطب عالم نوروالے رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''عورت کا مقام خلوت، حقیقت خواہش، وجہ عارف دنیا ہے اور فطرت کے ساتھ جنم لیتی ہے۔''

اس بات کو مغرب کے اہل علم و دانش بھی بخوبی جانتے ہیں لہٰذا وہ چاہتے ہیں کہ اولاً مسلمان عورت کسی نہ کسی طرح خلوت سے جلوت میں آ جائے۔اس کیلئے انہوں نے کئی دام ہمرنگ زمیں بچھا رکھے ہیں تا کہ ان کا کام آسان ہو جائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالیہ ہے۔"عورت (سراپا) واجب الستر ہے۔جب وہ گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو دیکھتا ہے۔"(ترمذی)

اور جب وہ گھر سے باہر نکل آتی ہے تو شیطان اس کا شکار کرلیتا ہے۔اور پھر اس کے ذریعے معاشرے میں بے راہروی و بے حیائی کی ایسی آگ بھڑکا دیتا ہے جو صدیوں پر محیط ہوتی ہے اور بجھنے کا نام تک نہیں لیتی۔لہذا مغربی شیطانوں نے ایسے جال بننے شروع کر دیئے جس سے مسلمان عورت کو جلوت میں آنے کی ترغیب ہو۔

فی زمانہ الیکٹرانک میڈیا انتہائی موثر ذریعہ ترغیب وتحریص ہے۔جس سے عورت کے اندر خواہشات کا آلاؤ روشن کر کے اسے دنیا کی چکاچوند کے حوالے کیا جاسکتا ہے۔کیونکہ اسے فطری طور پر دنیا کا ادراک وعرفان ہوتا ہے لہذا وہ جلد یا بدیر اس کی ریشمی خوش رنگ ڈوریوں میں ذہنی و جذباتی طور پر جکڑ جاتی ہے اور اس کی سوچوں کی سوئی جس مقام پر جا کر رک جاتی ہے پھر وہاں سے حتی المقدور ہلنے کا نام تک نہیں لیتی۔

عورت کو خلوت سے جلوت میں آنے سے جو چیز روکتی ہے وہ اسلامی تعلیمات سے آگہی، ازواج الرسول امہات المومنین رضی اللہ عنہا کی تقدس ومطہر زندگیوں کا بے مثل نمونہ اور محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق ومحبت ہے۔لیکن جوان سے تہی دامن ہو وہ بہت جلد گمراہ ہو جاتی ہے۔یہ اصولی بات ہے کہ عارف دنیا پر صرف عارف مولا ہی غالب آتا ہے۔اگر مرد عارف مولا ہو تو عورت اس کے حکم میں رہتی ہے اور کوئی ایسا کام نہیں کرتی جو خاوند کی رنجش کا باعث بنے اور اگر صورت حال یہ ہو کہ مرد عارف مولا نہ ہو تو پھر عورت اس پر سواری کرلیتی ہے وہ عورت کا بے دام غلام بن کر رہ جاتا ہے۔وہ خاوند کو جدھر چلاتی ہے وہ

چلتا ہے۔ جو منواتی ہے وہ مانتا ہے۔ عورت میں یہ خوبی بھی بدرجہ اتم موجود ہے کہ اگر اس کا رخ دین کی طرف ہو تو وہ اندر اور باہر سے اپنے رب کریم اور اس کے محبوب ﷺ کی راہ پر ہمہ وقت لگ جاتی ہے جس سے وہ مرد کی بہ نسبت بہت جلد عارف باللہ ہو جاتی ہے۔

لیکن فی زمانہ مسلمان عورتوں کی اور مسلمان مردوں کی خاصی اکثریت قرآن و حدیث مبارکہ کی تعلیمات سے بے بہرہ ہے لہٰذا معاشرے میں بے حجابی و بے پردگی عام ہے۔ تمام تر کاوشیں حصول دنیا کے لیے وقف ہو کر رہ گئی ہیں۔ مردوں اور عورتوں کی آنکھوں، زبانوں اور جسموں سے حیا کے پردے اٹھتے جا رہے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"حیا ایمان میں سے ہے۔"

حالات شاہد ہیں کہ آہستہ آہستہ حیا ایمان سے نکلتی جا رہی ہے۔ اب اکثر عورتوں نے ایسا لباس زیب تن کرنا شروع کر دیا ہے کہ پہنا یا نہ پہنا برابر ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"بہت سی دنیا میں پہننے والی ایسی ہیں جو آخرت میں برہنہ ہوں گی۔"

مطلب یہ ہے کہ عورتیں ایسا لباس پہنیں گی کہ جس کو وہ خیال کریں گی کہ ہمارا جسم برہنہ نہیں ہے لباس میں چھپا ہوا ہے لیکن وہ لباس نہ ہونے کی طرح خیال کیا جائے گا۔ (بخاری ج ا ص 135) اور آج کل ایسے باریک لباس میں ملبوس اکثر عورتیں گلی کوچوں اور بازاروں میں عام دکھائی دیتی ہیں۔ جن کے لباس کے اندر سے ان کا جسم نظر آتا ہے۔

اب حالات یہ ہیں کہ مردوں نے عورتوں اور عورتوں نے مردوں کی صورت و ہیئت اختیار کرنا شروع کر دی ہے۔ دور سے جو مرد نظر آتا ہے قریب آنے پر وہ عورت ہوتی ہے اور

فاصلے سے جو عورت دکھائی دیتی ہے قریب آنے پر وہ مرد ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن مردوں پر لعنت کی ہے جو عورتوں کی سی صورت اختیار کرتے ہیں اور ان عورتوں پر بھی لعنت کی ہے جو مردوں کی سی صورت اختیار کرتی ہیں۔ (صحیح بخاری ج3 ص 352)

اور جس پر اللہ تعالی کا محبوب ﷺ لعنت فرمادے پھر اس کا کہاں اور کون ساٹھکانا ہوگا اس کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔لیکن کوئی ان عقل کے اندھوں سے پوچھے کہ آخر انہیں اپنے مرد اور عورت ہونے پر عار کیوں محسوس ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کی صورت اختیار کرنے لگے ہیں۔

جب صبح وشام منظم طریقے سے کسی خاص مقصد کے حصول کیلئے مختلف ذرائع سے پروپیگنڈہ کیا جائے تو آہستہ آہستہ قلب وذہن اس کا اثر قبول کرنے لگتے ہیں۔مغرب کے یہودیوں، عیسائیوں اور دیگر بے دین اداروں نے لاکھوں کروڑوں روپے خرچ کر کے ایسی عورتوں اور مردوں کو خرید رکھا ہے جنہوں نے غیر سرکاری تنظیموں کے ذریعے مختلف پروگراموں کے تحت مردوں کو بے حس اور بے دین بنانے اور عورتوں کو گھر کی چاردیواری سے باہر لانے کا بیڑا اٹھا رکھا ہے اور وہ شب وروز اس مقصد کے حصول کے لئے کوشاں ہیں۔ان کے علاوہ فیشن ایبل مغربی کلچر کی شیفتہ و وارفتہ خواندہ مادہ پرست عورتیں آزادی نسواں کے نام پر ریلیاں، سیمینار وغیرہ منعقد کر کے عورت کی مظلومی کا ڈھنڈورہ پیٹتی اور اسے مردوں کے خلاف بغاوت پر یا نافرمانی پر اکساتی رہتی ہیں جس سے کئی گھرانوں میں فتور پیدا ہو گیا ہے۔ علاوہ ازیں ٹیلیویژن پر ایسے پروگرام دکھائے جارہے ہیں جن کے ذریعے گھر کی چاردیواری کے اندر عورتوں کی ایسی تربیت کی جاتی ہے جس سے ان کے اندر آزادخیالی پیدا ہو۔اب ایسا نظام متعارف کرادیا گیا ہے جس کے تحت یونین کونسلوں سے لے کر اسمبلیوں

تک عورتوں کی فوج ظفر موج نظر آتی ہے۔کئی عورتوں نے اپنے تجارتی ادارے کھول رکھے ہیں اور بیشمار عورتیں مختلف دفاتر میں ملازمت کرتی ہیں ۔لیکن ان سب کے باوجود ابھی تک اللہ کا شکر ہے کہ اسلامی ماحول اور دینی حصار کی وجہ سے عورتوں کی متعدد بہ اکثریت نے حیا کے دامن کو مضبوطی سے تھام رکھا ہے اور وہ بڑی نیک اور پاکدامن ہیں لیکن وہ اپنوں اور پرائیوں کے برپا کئے ہوئے طوفان بے حیائی کے آگے کب تک ڈٹی رہیں گی ۔ایک نہ ایک دن انکی سوچوں ان کے لباسوں،انکی بے حجابی اوران کا غیر محرموں کے ساتھ آمادہ گفتگو ہونا وغیرہ کسی نہ کسی کونے سے تو حیا کا دامن چھوٹے گا۔

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ مختلف دفاتر ،غیر سرکاری تنظیموں اور اداروں میں جہاں مرد اور عورتیں اکٹھے کام کرتے ہیں وہ آپس میں گفتگو بھی کرتے ہیں ۔اکٹھے سفر پر بھی جاتے ہیں ۔آپس میں گپ شپ بھی ہوتی ہے ۔مختلف موضوعات پر تبادلہ خیالات بھی کرتے ہیں ۔باہم ہنسی مذاق بھی ہوتا ہے۔ گھریلو دکھ درد کی باتیں بھی کی جاتی ہیں ۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد عالیہ کے مطابق آنکھوں پر قابو رکھنے والوں کے لئے نجات کی نوید ہے اور نظریں نیچی رکھنے والے مرد اور عورتوں کے لئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جنت کے ضامن ہیں بشرطیکہ وہ بھی نیچی رکھنے کی ضمانت دیں ۔کیا کوئی ہے جو آج کے آزادی پسند ماحول میں اس بات کی ضمانت دے ۔یقیناً کوئی نہیں ہے تو پھر جنت کیسے ملے گی؟

ہر معاشرے میں اچھے برے لوگ ہوتے ہیں لیکن جو عورتیں صراط مستقیم سے بھٹک جاتی ہیں جن کے حیا کا دامن تار تار ہو جاتا ہے وہ قحبہ خانوں کی مالکن بھی ہیں اور سر عام دعوت نظارہ و گناہ بھی دیتی ہیں لیکن اس کے باوجود ان پر بھی اسلامی معاشرے کا خوف طاری رہتا ہے اور وہ ابلیسی کھیل بڑی احتیاط سے کھیلتی ہیں ۔

اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینے اور ان سے محبت کی دعویدار عورتو اور مردو! کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کنواری دلہن جو شرم و حیا کا پیکر ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ حیادار تھے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ ہر جمعتہ المبارک کے خطبہ میں حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی حیا کا اعلان کیا جاتا ہے۔ پھر تم حیا سے تہی دامن کیوں ہوتے جا رہے ہو۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم نوروالے رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"سب سے زیادہ نیک عورت وہ ہے جو لب پر حرف شکایت نہ لائے اور محسنات میں اس عورت کو شمار کیا جاتا ہے جو اپنے شوہر کے خلاف نہ چلے۔ لاریب عورت چراغ خانہ ہے شمع محفل نہیں۔" (اخص الخواص ص 226)

اے عورتو! تمہاری عظمت اسی میں ہے کہ حیاء کو اپنا لباس بنالو اور حیاء کے زیور سے خود کو سنوارے رکھو۔ اپنے گھروں میں بیٹھو اور گناہوں پر آنسو بہاؤ پھر دیکھنا انسان تو انسان ملائکہ بھی تمہارا نام ادب سے لیں گے اور امہات المومنین رضی اللہ عنہم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چاروں شہزادی بیٹیوں سے تمہارا ٹوٹا ہوا تعلق پھر سے استوار ہو جائے گا۔ لیکن اگر تم نے اپنی روش کو نہ بدلا اور مغرب کی اندھی اور بے حیا تقلید سے منہ نہ موڑا تو پھر حیا کے ہم آہنگ ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھو گی یہ نا قابل تلافی نقصان ہوگا۔ لاریب حیا ایمان میں سے ہے اور حیا عورت کا حسن ہے۔ حیا عورت کا نکھار ہے۔ حیا عورت کی زندگی ہے۔ حیا عورت کی جنت ہے۔ حیا عورت کا سرمایہ ہے۔ حیا عورت سے اور عورت حیا سے ہے۔

قول وعمل کی ہم آہنگی

(محمد اسجد قاسمی)

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد اپنے پہلے اور مختصر خطاب میں فرمایا تھا: "آج تم کو کہنے والے امام سے کہیں زیادہ کرنے والے امام کی ضرورت ہے"۔

حضرت عثمان کا یہ بلیغ جملہ ہمارے اس دور میں جیسی مطابقت رکھتا ہے، شاید ایسی مطابقت کسی دور میں نہ رہی ہوگی۔ قوالیت اور قوالیت پسندی ہم مسلمانوں کی بیماریوں میں سے بے حد قابل فکر بیماری ہے قول وعمل کا تضاد سب سے بڑا انسانی روگ ہے، یہ نفاق کی بدترین صورت ہے، قرآن میں یہود کو مخاطب کرکے کہا گیا ہے:

"تم دوسروں کو تو نیکی کا راستہ اختیار کرنے کے لئے کہتے ہو مگر اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟ حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو، کیا تم عقل سے بالکل ہی کام نہیں لیتے؟۔ البقرہ 44 مسلمانوں کو مخاطب کیا گیا: "اے ایمان والو! تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ اللہ کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ حرکت ہے کہ تم کہو وہ بات جو کرتے نہیں"۔ (الصف 3)

ایک سچے مسلمان کے قول وعمل میں مکمل مطابقت ہونی چاہیے، جو کہے اسے کرے، جو کرنے کی نیت یا ہمت نہ ہو اسے زبان سے نہ کہے قول وعمل کا تضاد بدترین خصلت ہے جو اللہ کے غضب کا سبب بنتی ہے، دوسروں کی اصلاح کیلئے سرگرمی اور اپنی اصلاح سے بے فکری خودرا فضیحت دیگراں را نصیحت کا انجام بے حد عبرتناک ہوتا ہے، حضرت اسامہؓ کی حدیث ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن ایک شخص کو لا کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا تو

آگ میں (شدید عذاب کی وجہ سے) اس کی آنتیں باہر نکل آئیں گی، اہل دوزخ اس کے پاس جمع ہوکر کہیں گے کیا تم دنیا میں ہم کو اچھی باتوں کا حکم نہ دیتے تھے اور بری باتوں سے منع نہ کرتے تھے؟ وہ کہے گا کہ میں تم کو اچھی باتوں کا حکم تو دیتا تھا مگر خود ان پر عمل نہ کرتا تھا اور تمہیں بری باتوں سے روکتا تو تھا مگر خود ان کا ارتکاب کرتا تھا"۔ (بخاری شریف)

معلوم ہوا کہ قول و عمل کا تضاد جہنم کے المناک عذاب کو دعوت دیتا ہے، دوسروں کی فکر میں اپنی طرف سے بے فکری مسخرہ پن ہے، حدیث شریف میں ہے:

"عقل مند وہ ہے جو اپنا محاسبہ کرلے اور آخرت کی ابدی زندگی کیلئے عمل کرلے اور عاجز و بے بس ہے وہ جو اپنے نفس کو خواہش نفس کے تابع کردے اور (بد اعمالیوں کے ساتھ) اللہ سے (فلاح و نجات کی) آرزوئیں باندھے"۔ (ترمذی شریف)

ایک حدیث شریف میں وارد ہوا ہے: "مجھے اس امت پر ہر اس منافق سے اندیشہ ہے جو باتیں تو حکیمانہ کرے لیکن کام اس کے ظالمانہ ہوں"۔ (شعب الایمان)

دانشمندانہ، فکر انگیز، حکمت پر مبنی، شیریں گفتگو ہو مگر عمل ظالمانہ و فاسقانہ ہو، زبان نبوت میں ایسے لوگ امت کیلئے سب سے بڑا خطرہ ہیں اور ان سے ہوشیار رہنے کی تاکید و تلقین ہے، ایک حدیث میں ایسے لوگوں کے بارے میں آیا ہے کہ ان کی زبانیں شکر اور شہد سے زیادہ شیریں مگر دل بھیڑیوں کی طرح خطرناک ہوں گے اور ان سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے وضاحت فرمائی ہے کہ ہر نبی کی امت میں ایسے ناخلف ہوتے ہیں جو قول و عمل کے تضاد اور حکم شریعت کے عصیان میں مبتلا ہوتے ہیں، ایسے لوگوں سے اپنے ہاتھ سے جہاد (ان کی غلط کاریوں پر نکیر) کرنے والا مومن کامل ہے، ان سے زبانی جہاد کرنے والا درمیانی درجہ کا مسلمان ہے اور صرف دل سے جہاد کرنے والا (دل میں ان کے عمل کو برا سمجھنے والا)

ناقص مومن ہے اس کے بعد ایمان رائی کے دانے کے برابر بھی نہیں رہتا۔(مسلم شریف)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیازی وصف قول و عمل کی ہم آہنگی اور قوتِ عمل تھا جس نے آپ کو ہر مرحلہ حیات میں کامیابی سے ہمکنار کیا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سوال کے جواب میں کہا تھا:

"آپ کا اخلاق قرآن ہے"۔(ابوداؤد شریف)

یعنی جو کچھ قرآن میں بصورتِ الفاظ ہے وہی آپ ﷺ کی سیرت و حیات میں بصورتِ عمل ہے، آپ ﷺ چلتا پھرتا قرآن ہیں، آپ نے جو حکم بھی دیا سب سے پہلے اور سب سے زیادہ خود اس پر عمل کر کے دکھایا ،غریبوں کی امداد کا حکم دیا تو پہلے خود بھوکے رہ کر دوسروں کو کھلایا ، دشمنوں کو معاف کرنا سکھایا تو پہلے خود دشمنوں کو معاف کیا، نماز کا حکم دیا تو سب سے زیادہ نمازیں خود پڑھیں ، زکوۃ کا حکم دیا تو اپنا سب مال راہِ خدا میں قربان کر دیا ، قرآن نے اسی لئے آپ کی حیات کی اخلاقیت کو آپ کے معاصرین کے سامنے نقد تبصرہ کیلئے پیش کیا: "میں اس سے پہلے ایک مدت تمہارے درمیان گزار چکا ہوں، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے"۔(یونس 16)

پھر آپ کو خطاب کر کے فرمایا:"اے محمد! یقیناً آپ اخلاق کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں"۔(القلم 4)

قول و عمل اور گفتار و کردار کی موافقت ہی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر میدان زندگی میں نمایاں کامیابی عطاء کی ، اور آج بھی کامرانی کی کلید یہی موافقت ہی ہے، اسلاف کی کامیابیوں اور ظفر مندوں پر ناز کرنے والے اور اپنے آپ کو فراموش کرنے والے افراد سے اقبال کی زبان میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ:

تم ہو گفتار سراپا، وہ سراپا کردار تم ترستے ہو کلی کو، وہ گلستاں بکنار

انسان

(عبدالرشید ساہی)

تیرا جوہر ہے نوری پاک ہے تو
فروغِ دیدۂ افلاک ہے تو
تیرے صیدِ زبوں افرشتہ وحور
کہ شاہین شہ لولاک ہے تو

انسان اپنے آپ کو پہچان تو صرف مٹی کا پتلا نہیں تو اللہ تعالیٰ کی حسین ترین مخلوق ہے اشرف المخلوقات ہے مسجود الملائکہ ہے زمین پر اللہ کا نائب ہے تیرے اندر اللہ کی روح موجود ہے تیرے پاس اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا سب سے طاقتور رائنس موجود ہے

میں جو سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
تیرا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

نماز جو مومن کی معراج ہے کبھی تو نے اس معراج پر غور فرمایا ہے اول تو تیرا جی ہی نہیں چاہتا کہ تو اللہ کے سامنے سجدہ کرے مخلوقات کے سامنے تجھے سجدہ ریز ہونا بڑا ابھلا معلوم ہوتا ہے لیکن اللہ جو کہ تمام کائناتوں اور جہانوں کا بلا شرکت غیرے خلق اور مالک ہے اس کے حضور سجدہ ریز ہونا تجھے بڑا گراں گزرتا ہے اور اگر کبھی بھلے سے سجدہ کر بھی لے تو اتنی بے خیالی سے کہ نمبر ڈائل کرنے کے بغیر بھی بات سنا دیتا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں واضح فرما دیا ہے ''کہ میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے'' لیکن انسان سب کی عبادت کرتا ہے مگر جس ہستی نے اس کو اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے اس کے

سامنے سجدہ ریز ہونے سے پہلو تہی کرتا ہے جو رب اس کی سانسوں کا مالک ہے اس کے ساتھ بات کرنے کے لئے اس کے پاس وقت ہی نہیں ہے علامہ کہتا ہے۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے ناامیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

اے انسان اگر تو نے دنیا و آخرت میں کامیاب ہونا ہے تو صرف دعا سے نہیں بلکہ ادا سے سرخرو ہونا پڑے گا محبت قربانی مانگتی ہے میدان الفت میں وہی کامیاب ہوتے ہیں جو خوشی سے قربان ہونا جانتے ہیں اللہ کے قرب میں جانے کے لئے کربلا سجانے کی ضرورت ہوتی ہے ''ورفعنا لک ذکر'' ذکر بلند اس وقت ہوتا ہے جب میدان جہاد شہیدوں کے خون سے آبیار ہوتے ہیں اگر صبر ایوبؑ عشق ہے تو صبر حسینؑ بھی عشق ہے معرکہ بدر و حنین بھی عشق ہے معرکہ خیبر بھی عشق ہے لیکن جو لوگ بر سر میدان حق بات کہنے سے شرما جائیں ان کو اللہ تعالیٰ کا قرب کیسے نصیب ہوگا اللہ کے قرب میں جانے کے لئے سر مبارک نیزے پر چڑھانا پڑے گا بازو کٹانے پڑیں گے اللہ کی راہ میں شہید ہونے سے ہی نمبر 1 ہونگے ہم تو اللہ کی راہ میں انگلی نہیں کٹوانا چاہتے ہیں لیکن اہل بیت کی محبت کا دعویٰ ضرور کر دیتے ہیں علامہ کہتا ہے

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باقی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''انصاف کرنے والے اللہ کے محبوب ہوتے ہیں مگر جو آج ہو رہا ہے مسلمانوں کے لئے لمحہ فکریہ ہے ملک کے تین حصے سیلاب کی نذر ہو چکے ہیں اور سیاسی خواجہ سرا اقتدار کے حصول کے لئے راتوں کی نیندیں گنوا بیٹھے ہیں''

اسباب ارتکابِ معاصی

(ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰؒ)

معاشی مجبوریاں:

آج سے تقریباً آٹھ سال قبل مجھے حکومت پاکستان کے کچھ محکموں میں کام کرنے کا موقع ملا تھا اور میں نے خاموشی سے ایک سروے کیا اور پڑھے لکھے لوگوں کا سروے کیا۔ صرف ایک بات معلوم کرنا چاہتا تھا کہ پاکستان کے کتنے پڑھے لکھے لوگ رزق حلال کی طرف توجہ کرتے ہیں اور کتنے لوگ حرام کی طرف اور کتنے لوگ حالات کے تابع ہیں۔ سروے تو بہت طویل تھا لیکن نتائج بہت مختصر تھے۔ تین جملوں میں نتائج یہ تھے کہ پانچ فیصد لوگ مجھے ایسے نظر آئے جن کی یہ کوشش تھی اور اس کوشش میں وہ کامیاب تھے کہ رزق حلال ہی کھایا جائے، خواہ انہیں لباس چیتھڑوں کی شکل میں پہننا پڑے، فاقہ آجائے، لیکن حلال ہی کھائیں گے۔ دس فیصد لوگ ایسے تھے کہ جن کی سوچ تھی کہ خواہ ان کی تنخواہ پچاس ہزار روپیہ مہینہ کردی جائے۔ حرام تو ضرور کھائیں گے۔ ان کی گھٹی میں ان کے مزاج میں رشوت، جوڑتوڑ اور سارے طریقے جو حرام خوری کے ہوسکتے ہیں، رچے بسے ہوئے تھے۔ کچھ کرلیجئے، ان کی تنخواہیں بڑھا دیجئے، ان کو اسباب اور وسائل دے دیجئے، وہ حرام کھا کے رہیں گے۔ اور میں نے دیکھا کہ ایسے لوگ سعودی عرب میں بھی آئے۔ رہ گئے پچاسی فیصد لوگ، ان کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ یہ حالات سے مجبور لوگ ہیں۔ ان میں اکثر لوگ ایسے ہیں بلکہ تقریباً سب لوگ ایسے ہیں کہ اگر تعلیم و تربیت مناسب ہو اور ساتھ ہی ساتھ ان کے اقتصادی حالات ذرا سے بہتر کردیئے جائیں تو یہ حضرات کھانا چھوڑ دیں گے اور حلال کی

طرف توجہ کریں گے۔ معاشی مجبوریوں کے تحت ،بعض ضرورتوں کے تحت یا ایک جو فضاء بنی ہوئی ہے ایک خاص قسم کا طرز زندگی اور معیار زندگی حاصل کرنے کیلئے یہ حضرات مجبور ہیں کہ ناجائز ذرائع کا سہارا لیں۔ میں نے غلط کہا کہ مجبور ہیں' مجبور اپنے آپ کو بنائے ہوئے ہیں اور اپنے آپ کو مجبور سمجھتے ہیں کہ یہ کسی حد تک حرام کھائیں۔میری عرض یہ ہے کہ پہلی قسم کے پانچ فیصد حضرات اس وقت ہماری گفتگو کا موضوع نہیں ہے۔انہیں فی الحال نظر انداز کیجئے' ہر چند کہ یہی اس قوم کا اصل سرمایہ ہیں۔وہ بھوکے مرجائیں گے' وہ حرام نہیں کھائیں گے۔دس فیصد جو خالصتاً حرام خور ہیں' ان کو بھی آپ نظر انداز (Neglect) کر دیجئے۔ان کیلئے تو شریعت نے تعزیرات اور حدود مقرر کی ہیں۔اصلاح کا اور اقتصادی حالات کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔یہ پچاسی فیصد گروپ جو ہے جسے آپ تنخواہ دار (Salaried) گروپ کہتے ہیں' اس کے بارے میں غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔خاص تعلیم اور تربیت کے ذریعہ سے اقتصادی حالات کو بہتر کرنے سے ان حضرات کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ان کا اسی فیصد طبقہ بہت آسانی کے ساتھ اس پانچ فیصد طبقہ میں شامل ہو سکتا ہے جو حلال و حرام میں تمیز رکھتا ہے۔اب آئیے' دیکھیں انسان حرام خوری اور حرام اعمال کی طرف کیوں متوجہ ہوتا ہے؟ ارتکاب معصیت کا پہلا سبب معاشی حالات ہیں۔اس کی طرف توجہ بہر حال کرنی پڑے گی۔

صحبت بد:

دوسرا سبب صحبت بد ہے۔یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر شخصیت' ہر انسان بظاہر وہ اہم شخصیت نظر آتی ہو یا غیر اہم شخصیت' اس پر خاص قسم کی کیفیات ہوتی ہیں۔آپ اس کے پاس سے گزر جائیں تو وہ کیفیات آپ پر منعکس ہوں گی۔اس کا اندازہ نہ ہو یہ ایک علیحدہ بات ہے لیکن اگر آدمی آنکھیں کھول کر کسی شخص کے قریب جا کے بیٹھے تو ان کیفیات کا اس کو اندازہ

ہوسکتا ہے۔اور یہ کیفیات متعددی ہوتی ہیں ۔ دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہیں ۔ ذرا سی اور تشریح میں عرض کردوں کہ ہر شخص پر دو کیفیتوں میں سے ایک کیفیت ضرور ہوگی: یا تو اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت نازل ہورہی ہوگی یا لعنت نازل ہورہی ہوگی۔تیسری کیفیت نہیں ہے۔رحمت کا مفہوم تو آپ سمجھتے ہیں کہ کیا ہے۔قرآن مجید میں اس کا کثرت سے ذکر آیا ہے۔جب ابو بکر صدیق غار ثور میں پریشان ہوگئے تھے تو ان پر رحمت وسکینت نازل ہوئی۔ ''اللہ تعالیٰ نے اپنی سکینت ان پر نازل کی۔''(التوبہ:4)

یہ رحمت ایک خاص کیفیت ہے جو انسان کو ایک خاص قسم کی شخصیت عطا کردیتی ہے۔خاص قسم کے اعمال پر ہمت اور توفیق دیتی ہے۔رحمت کے منقطع ہونے کی کیفیت کو لعنت کہتے ہیں۔لعنت بذات خود کوئی چیز نہیں ہے۔عربی زبان میں لعنت کہتے ہیں:اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بند ہوجانے کو۔کائنات کی ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کی رحمت منقطع ہوجاتی ہے۔اس منقطع ہوجانے کو ہم لعنت کہتے ہیں۔یہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا نتیجہ ہے۔تو معلوم ہوا کہ دو چیزوں میں سے ایک چیز ہر شخص پر وارد ہوتی ہے'یا رحمت نازل ہورہی ہوتی ہے یا لعنت نازل ہورہی ہوتی ہے۔پہلی چیز اللہ تعالیٰ کی محبت اس کی عنایات اور اس کے فضل کا مظہر ہے۔دوسری چیز (لعنت)اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کی طرف سے عذاب کا ایک مظہر ہے۔ رحمت'انسان کو نیک اعمال کی طرف کھینچ کرلے جاتی ہے۔یہاں پر یہ غلط فہمی نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ مجبور کرتا ہے انسان کو نیک اعمال پر بھی'برے اعمال پر بھی۔حقیقت یہ ہے کہ رحمت کا سبب بھی انسان خود ہے اور لعنت کا سبب بھی انسان خود ہے۔اس کے بعد کے جو نتائج نکلتے ہیں وہ آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔اس میں اگر انسان رحمت چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ رحمت دیتے ہیں' نیک اعمال کی توفیق چاہتا ہے تو نیک اعمال کی توفیق ملتی ہے۔برے اعمال کی توفیق چاہتا ہے'

برے اعمال کی توفیق ملتی ہے۔ابتداء تو انسان خود ہی کرتا ہے لیکن آگے بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑھادی جاتی ہے۔یہ کیفیت متعدی ہے یعنی یہ دوسرے شخص پر منعکس ہوتی ہے۔ رحمت کی کیفیت بھی اور لعنت کی کیفیت بھی۔ میں ایک شیخ کے یہاں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے ان سے پوچھا: حضرت! اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ اور علماء صالحین کی صحبت اختیار کرنی چاہئے؟ اس پر آخر اس قدر زور کیوں دیا جاتا ہے؟ گرمی کے دن تھے' دیہات میں بیٹھے تھے'ایک شخص ان کو پنکھا جھل رہا تھا' کہنے لگے: پنکھے کی ہوا آرہی ہے؟ میں نے کہا: ''آتو رہی ہے۔'' کہنے لگے: یہ شخص پنکھا میرے لئے ہلا رہا ہے'تمہارے لئے نہیں ہلا رہا لیکن ہوا تمہیں بھی آرہی ہے۔'' ایک جگہ پہ بارش ہورہی ہوتی ہے لیکن اس کی پھوار'اس کی نمی'اس کی رطوبت'اس کی قریب کی جگہ پر خود بخود منتقل ہوتی چلی جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح صالحین'علماء کرام اور اولیاء اللہ پر ان کے نیک اعمال اور کثرت ذکرو عبادت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ایک خاص رحمت ہر وقت نازل ہورہی ہوتی ہے اور جو بھی ان کے قریب آبیٹھتا ہے'ان پر بھی وہ رحمت نازل ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے(طویل حدیث ہے اس کا صرف آخری حصہ عرض کرتا ہوں)ایک جگہ کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی بات سننے سنانے کیلئے یا ذکر کیلئے جمع ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے کائنات میں کچھ فرشتے مقرر کیے ہیں جو صرف ان لوگوں کیلئے اور ان پر سایہ کرنے کیلئے ہیں تو وہ اطلاع کرتے ہیں کہ یہ ایک مجلس ہے جہاں تم آسکتے ہو۔

فرشتے اس جگہ کو گھیر لیتے ہیں اور یہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ایک شخص جو کسی اور کام کے لئے جا رہا تھا انہیں دیکھ کر وہاں پر تھوڑی دیر کے لئے رک جاتا ہے' مجلس ختم ہو جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھتا ہے: بھئی ''یہ لوگ کیا کر رہے تھے؟''

فرشتے جواب دیتے ہیں: اے اللہ! یہ لوگ آپ کی محبت میں کچھ باتیں کر رہے تھے' آپ کا ذکر کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ پوچھیں گے (حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں) ''کیا ان لوگوں نے مجھے دیکھا ہے؟'' دیکھا تو نہیں۔ اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں: ''اچھا تو یہ لوگ اگر مجھے دیکھ لیتے تو پھر ان کی کیا حالت ہوتی؟'' فرشتے جواب دیتے ہیں کہ اور بھی زیادہ ذکر کرتے۔ اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں: ''یہ لوگ کس چیز کی خواہش رکھتے ہیں؟'' جواب ہوتا ہے کہ جنت کی۔ تو ارشاد ہوتا ہے کہ ''کیا انہوں نے جنت کو دیکھا ہے؟'' دیکھا تو نہیں۔ ''اگر جنت کو دیکھ لیں تو ان کی کیا کیفیت ہوگی؟'' تو اور بھی رغبت سے آپ کا ذکر کریں گے اور آپ کی باتوں میں لگیں گے' اطاعت کریں گے۔ ''کس چیز سے یہ لوگ بچنا چاہتے ہیں؟'' جہنم سے۔ ''جہنم کو دیکھا ہے؟'' ''وہ تو نہیں دیکھا۔'' ''اگر جہنم کو دیکھ لیتے تو کیا کیفیت ہوتی؟'' اور بھی رغبت سے آپ کی طرف مائل ہوتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''تم شاہد رہو کہ میں نے ان سب کو بخش دیا۔'' فرشتے کہتے ہیں یا اللہ! ان میں ایک آدمی ایسا بھی آیا تھا جو اس مجلس کے لئے نہیں آیا' وہ تو سر راہ جا رہا تھا۔ ایسے ہی اس کے کانوں میں کوئی آواز پڑ گئی۔ اس نے دیکھا ایک مجمع ہے' تھوڑی دیر کے لئے کھڑا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میں نے اسے بھی بخش دیا۔'' ''یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کا ہم نشین محروم نہیں رہتا۔'' میں اس جملے کی طرف آپ کو لانا چاہتا تھا کہ یہ ایک ایسا گروہ ہے کہ ان کی صحبت اٹھانے والا بھی خالی ہاتھ نہیں جاتا۔ وہ بھی کچھ لے کر جاتا ہے' اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی بخش دیا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ: ''ایسا ہم نشین جو کہ صالح ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ عطر فروش اور برے ہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسا کہ بھٹی دھونکنے والا۔ اب عطر فروش کے یہاں جائیں گے تو یا تو عطر خرید لیں گے۔ عطر خریدیں گے نہیں تو ہو سکتا ہے کہ وہ خود عطر کا ایک پھبہ لگا کر تمہیں دے دے۔ یہ بھی اگر نہیں ہوتا تو خوشبو تو

آتی رہے گی۔مطلب یہ دھو نکنے والا ہے یا تو وہاں سے کپڑے جلا کر اٹھیں گے' یہ بھی اگر نہیں ہوتا ہے' بچ بچا کے ذرا فاصلے پر بھی بیٹھ گئے تو دھواں اور بد بوتو آ کر رہے گی۔' تو نیک اعمال کا سب سے بڑا سبب صحبت صالح ہے اور بد اعمال کا سب سے بڑا سبب بری صحبت ہے۔اور یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام کو جو غیر صحابہ پر فضیلت ہے وہ صرف اسی وجہ سے ہے کہ انہوں نے تھوڑی یا زیادہ دیر کے لئے حضور ﷺ کی صحبت اٹھائی ہے۔یہاں تک کہ وہ شخص جس نے امیر حمزہ کو قتل کیا (حضرت وحشیؓ) پھر توفیق الہی نے دستگیری کی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا 'اسلام قبول کیا' تو بکی اور اس کو دیکھ کر آپ رو دیئے اور فرمایا''ایک کام کر سکتے ہو' اپنا چہرہ مجھ سے ذرا چھپائے رکھا کرو' یعنی تمہیں دیکھتا ہوں تو مجھے اپنے چچا کا غم تازہ ہو جاتا ہے۔''چنانچہ یہ شخص (حضرت وحشیؓ) حضور کی خدمت میں آتا تھا لیکن چھپ چھپا کے پشت کی طرف سے آتا تھا تا کہ اس کی وجہ سے حضور ﷺ کو اذیت نہ ہو' لیکن صحابی تو تھا۔تمام علماء نے بلا اختلاف یہ لکھا ہے کہ یہ صحابی ہے اور قدر و منزلت میں اویس قرنی سے بڑھ کر ہے کہ یہ صحابی نہیں ہیں۔ایک طرف تو اویس قرنی وہ ہیں جن کے بارے میں آپؐ نے بشارتیں دی ہیں۔حضرت عمرؓ سے یہ کہا کہ وہ آئے گا' اس کی یہ علامات ہوں گی۔جب وہ آئے گا تو اس سے دعا کرانا اور استغفار کرانا' وہ بہت بڑا انسان ہے اور اپنی والدہ کی خدمت میں اس کو ایک بہت بڑا مقام حاصل ہے۔اور وہ آیا اور حضرت عمر نے اس سے دعا کروائی۔لیکن علماء نے یہ بات کھول کے لکھ دی ہے کہ اویس قرنی صحابی نہیں ہیں۔حضور کی صحبت نہیں اٹھائی ہے' ان کا مقام حضرت وحشی سے بھی کم ہے جس کی شکل حضور نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔تو چند گھڑیوں کی مصاحب کا شریعت میں اتنا مقام ہے کہ حضور اویس قرنی کی زندگی بھر کی عبادت کے مقابلہ میں حضرت وحشیؓ کی چند گھڑیاں جو صحبت رسول میں میسر آئیں' زیادہ وزنی ہیں۔

کسب حرام:

تیسری وجہ جو ہمارے اعمال کو متعین کرتی ہے' وہ کسب حلال اور کسب حرام ہے۔ ان دو طریقوں میں سے ایک طریقہ ہمارے اعمال کو متعین کر دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اے اللہ کے نبیوں! پاکیزہ غذا کھایا کرو اور نیک اعمال کیا کرو۔" یہ دیکھنے میں دو الگ الگ حکم نظر آتے ہیں۔ ایک حکم یہ کہ پاکیزہ چیزیں کھاؤ' حلال چیزیں کھاؤ۔ دوسرا حکم یہ نظر آتا ہے کہ نیک اعمال کرو لیکن اگر آپ غور کریں تو یہ دو حکم الگ الگ نہیں ہیں بلکہ دوسرا حکم پہلے حکم کا نتیجہ ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر پاکیزہ چیزیں کھاؤ گے تو نیک اعمال صادر ہوں گے اور اگر غیر پاکیزہ چیزیں کھاؤ گے تو پھر معاصی کا صدور ہو گا۔ اس بارے میں ایک مثال عرض کرتا ہوں اور یہ مثال ایک حدیث پر مبنی ہے اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ:

"وہ گوشت جس کی پرورش حرام پر ہوتی ہے اس کا ٹھکانہ تو آگ ہی ہونا چاہئے۔؟ کیوں آگ ہونا چاہئے کیونکہ اس سے نیک اعمال صادر نہیں ہوں گے۔ اگر پرورش گوشت پوست کی رزق حرام پر ہوتی ہے تو متوقع یہ ہے کہ وہ حرام کے اعمال کرے گا اور آگ ہی اس کے لئے بہتر ہے۔ اس کی مثال یوں عرض کروں گا: آپ نے دیکھا ہو گا کہ انسان کے جسم میں خون کے گروپ ہوتے ہیں۔ یہ گروپ اے مثبت ہے' یا اے منفی ہے' یہ بی مثبت ہے' یہ بی منفی ہے۔ اگر آپ کوشش کریں کہ جس شخص کے جسم میں بی مثبت ہے اس کے جسم میں آپ بی منفی داخل کر دیں یا اے گروپ داخل کر دیں تو وہ جسم فوراً اسے لینے سے ابا (Repulse) کرے گا۔ بالکل ایسا ہی انسان کے جسم کی پرورش رزق حرام سے ہو تو جب اس کے سامنے حلال کے اعمال اور نیک اعمال آئیں گے تو وہ اس سے ابا اور نفرت (Repulse) کرے گا اس کی سمجھ میں ان نیک اعمال کی خوبی' حکمت یا مصلحت نہیں آئے گی۔ اس کے برعکس اگر

ایک انسان کے جسم، اس کے اعصاب، گوشت اور اس کی ہڈیوں کی غرضیکہ اس کی ایک ایک چیز پرورش حلال سے ہوئی ہے تو وہ حلال اعمال یا نیک اعمال کی رغبت کرے گا اور حرام کے اعمال جب اس کے سامنے پیش کیے جائیں گے یا اس کے سامنے آئیں گے تو وہ ابا (Repulse) کرے گا، قبول نہیں کرے گا۔ تو رزق حلال بہت بڑا سبب ہے نیک اعمال اور رزق حرام بہت بڑا سبب ہے ارتکاب معاصی کا۔ میرا اپنا تجربہ ہے کہ بعض لوگوں کے ہاں جا کر دال روٹی کھائی ہے۔ پتلی دال، خشک روٹی اور پتہ یہ چلا کہ تین بجے تہجد بھی ایسی پڑھی کہ پتہ چلا کہ تہجد ہے۔ اور بعض لوگوں کے ہاں کھانا کھایا ہے اور مزے سے کھایا ہے مگر اثر یہ ہوا کہ فجر کی نماز بھی گئی۔ آپ بھی تجربہ کر کے دیکھ لیجئے۔ آپ کو رزق حرام کے اثرات اور رزق حلال کے اثرات میں خاص فرق نظر آئے گا۔

بعض صفاتِ الٰہیہ کا غلط مفہوم:

ارتکاب معاصی کی چوتھی وجہ اللہ تعالٰی کے بارے میں ہماری کچھ غلط فہمیاں ہیں۔ اللہ تعالٰی کے بارے میں قرآن مجید کہتا ہے کہ: ''اے انسان تجھے اللہ تعالٰی کے بارے میں کس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا۔'' اللہ تعالٰی کی بعض صفات کے بارے میں انسان کو غلط فہمی ہوئی اور وہ دھوکے میں ہے۔ یہ دھوکہ وہ اپنے آپ کو خود دیتا ہے۔ ایک صاحب کثرت سے شراب پیا کرتے تھے۔ سمجھانے پر انہوں نے خوب بحث کی۔ پھر کہنے لگے: چھوڑو، وہ معاف کرنے والا ہے۔ تم تنگ نظر انسان ہو۔ اللہ تعالٰی بخشنے والا مہربان ہے۔ بات ٹھیک کہتے ہو، بخشنے والا بھی ہے، رحمت والا بھی ہے لیکن اگر اس بات کا ذرا سا تجزیہ کریں تو پتہ چلے گا کہ ہم لوگ ایک بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں اور میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ اس خیال میں کہ اللہ تعالٰی غفور و رحیم ہے، وہ تمام معاصی اور تمام جرائم کا ارتکاب کرتے

چلے جاتے ہیں اور ایسی گھڑی ان پر نہیں آتی ہے کہ وہ اللہ سے توبہ کرسکیں اور ہر مرتبہ یہی جواب کہ اس بات کو میں ایک خاص منطقی دلیل سے آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے قوانین بنائے۔ کچھ طبعی قوانین ہیں اور کچھ اخلاقی قوانین ہیں۔ مثلاً طبعی قوانین یہ ہیں کہ زمین میں کشش ثقل ہے' زمین ہر چیز کو جو کہ ہوا سے زیادہ بوجھل ہے' اپنی طرف کھینچتی ہے۔ طبعی قانون ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اشیاء کے اندر کچھ خواص رکھ دیئے: مثلاً زہر میں یہ خاصیت رکھ دی کہ جو شخص پیئے گا مر جائے گا۔ یہ ایک طبعی قانون جو اللہ تعالیٰ نے بنا دیا ہے' ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے اخلاقی قانون بنا دیا ہے کہ اس عمل کا یہ نتیجہ ہے اور اس عمل کا یہ نتیجہ ہے۔ پس ذرا سا فرق ہے کہ بعض قوانین کی خلاف ورزی کا نتیجہ فوری ہوتا ہے' بعض قوانین کی خلاف ورزی کا نتیجہ فوری تو ہوتا ہے مگر فوری طور پر نظر نہیں آتا۔ اثرات' اس کے فوراً ظاہر ہو جاتے ہیں لیکن وہ ذرا سا دور (Long Range) ہوتا ہے۔ یوں کہہ لیجئے کہ طبعی قوانین کی خلاف ورزی کا نتیجہ فوری ظاہر نہیں ہوتا' دور رس ہوتا ہے۔ اب میں یہ عرض کرتا ہوں کہ وہ شخص جو یہ کہتا ہے کہ ''ان اللہ غفور رحیم'' اس کو ہم دعوت دیتے ہیں کہ جناب! ایک کام کر کے دکھایئے ہمیں۔ آیئے اس مکان کی پانچویں منزل سے ایک چھلانگ لگا کر دکھایئے۔ ایک طبعی قانون ہے اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ''قانون کشش ثقل'' اس کی ذرا خلاف ورزی کر کے دکھائیں۔ وہ تو غفور رحیم ہے' وہ تمہیں معاف کرے گا۔ تمہیں اس کی سزا نہیں دیگا۔ تمہیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے تو اس کے ایک دوسرے طبعی قانون کی خلاف ورزی کر کے دکھا دو' ہمیں زہر کے بھی چند گھونٹ پی کر دکھا دو اور اس سے امید رکھو کہ اس کی سزا جو سزائے موت متعین ہے' وہ تمہیں نہیں دے گا' معاف کر دے گا۔ یہاں پر تو پتہ چلتا ہے کہ انسان پریشان ہو جاتا ہے کہ یہ کیا بات ہوئی کہ میں اسے غفور رحیم کہتا رہا

لیکن طبعی قانون کی جونہی ہم خلاف ورزی کرتے ہیں زیادہ نہیں اپنا پاؤں بھی پھسلا لیں تو ٹانگ ٹوٹ جاتی ہے۔اونچی چھت سے ایک مرتبہ بھی اپنے آپ کو گرالیں تو ہڈیاں ٹوٹ جاتی ہیں یا سزائے موت ہو جاتی ہے۔ زہر کا آدھا گلاس بھی پی لیں تو وہ فوراً سزا دے دیتا ہے حالانکہ وہ اب بھی غفور رحیم ہے۔آخر یہ کیا بات ہوئی کہ اخلاقی قوانین کی خلاف ورزی کروتو غفور رحیم ہے۔ آخر یہ کیا بات ہوئی کہ اخلاقی قوانین کی خلاف ورزی کروتو غفوریت بھی سامنے آجاتی ہےاور رحیمیت بھی'اس کی کیا وجہ ہے؟اخلاقی قوانین بھی اسی کے بنائے ہوئے ہیں ۔طبعی قوانین بھی اسی کے بنائے ہوئے ہیں ۔آخر کیا سبب ہے کہ زہر کھانے پر تو اس کی غفوریت بھی سامنے نہیں آتی' رحیمیت بھی کام میں نہیں آتی لیکن شرک کے بارے میں اللہ تعالیٰ کہتا ہے: ''جو شخص شرک کرتا ہےاس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے اس نے اپنے آپ کو آسمان سے گرا دیا'' ''اس کو پرندے نوچ لیں' اس کے پرزے اڑ جائیں اور ہوا میں بکھر جائیں ۔یہ ہے شرک کرنے کا انجام ۔ذرا انصاف سے کام لیجئے کہ چھت سے گرتے ہوئے تو اپنے آپ سے ڈرتے ہو اور آسمان سے اپنے آپ کو گراتے ہوئے نہیں ڈرتے ۔یہاں تو اللہ تعالیٰ کو غفورو رحیم مان لیتے ہو'وہاں پر کیوں نہیں مانتے ؟ وہاں بھی مانو اور گراؤ اپنے آپ کو چھت سے ۔یہ دو رنگی نہیں تو کیا ہے کہ زہر نہیں پیتے ہو کیونکہ ڈرتے ہو کہ قانون طبعی حرکت میں آکر زندگی کا خاتمہ کردے گا مگر وہ شراب جس کو اس نے زہر سے بھی بدتر قرار دیا ہے بلکہ اسے ''ام الخبائث'' قرار دیا ہے'وہ پیتے ہو اور کہہ دیتے ہو کہ اللہ غفور رحیم ہے۔اب ذرا غور اس پر کیجئے کہ غفور رحیم کا مطلب کیا ہےاور غلط فہمی کہاں ہوگئی ؟قرآن مجید بہت کھلے انداز میں ایک جگہ نہیں 'بیسیوں جگہوں میں کہتا ہے میں صرف ایک آیت پڑھ کر سناتا ہوں۔

میں بہت بخشنے والا ہوں' مبالغے کا صیغہ ہے' بہت ہی بخشنے والا لیکن کسے؟

میری مغفرت کا دور کب شروع ہوتا ہے اور کس کے لئے ہوتا ہے جس نے توبہ کی اور نیک اعمال میں لگ گیا۔اور ہدایت یافتہ ہو گیا۔اب اس کا پچھلا سارا کا سارا ریکارڈ اٹھا کر دریا برد کر دیں گے' خواہ اس میں بڑے سے بڑے جرائم کیوں نہ موجود ہوں۔جب اس نے آپ کو شیطان کے کیمپ سے نکال کر خدا کے کیمپ میں داخل کر لیا' توبہ کر لی' ایمان کی حالت میں آ گیا' نیک اعمال شروع کئے' ہدایت یافتہ ہو گیا۔اب میں اس کے لئے بہت بخشنے والا ہوں۔یہ مضمون ایک نہیں بیسیوں آیات میں بیان ہوا ہے کہ مغفرت و رحمت کن لوگوں کے لئے ہے۔ اس کی وضاحت کے باوجود یہ انسان کی بہت بڑی بھول ہے کہ وہ اپنے آپ کو خدا کے بارے میں دھوکے میں ڈال لیتا ہے کہ اس کی نافرمانی بھی کرتا چلا جاتا ہے' اس کے خلاف بغاوت بھی کرتا ہے اور پھر اس کی مغفرت اور رحمت کی امید بھی رکھتا ہے۔یہ اللہ کی حلیم ذات کے خلاف کھلی جسارت نہیں تو اور کیا ہے؟

خودفراموشی: پانچواں سبب یہ ہے کہ انسان اپنی قدر و منزلت بھول جاتا ہے' وہ نہیں سمجھ پاتا کہ اس کا منصب کیا ہے؟ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

''ہم نے انسان کو بہترین قالب میں پیدا کیا۔''(التین:۴)

''ہم نے بنی آدم کو بہت عزت بخشی ہے' ہم انہیں اٹھاتے پھرتے ہیں خشکی میں بھی تری میں بھی' پاکیزہ چیزیں بھی دیتے ہیں انہیں کہ کھائیں اور ہم نے انہیں بہت سی مخلوق پر برتری بخشی ہے۔''

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:''میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔''پھر فرمایا:''ہم نے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے' سب کا سب تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔''

اگر آپ غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ کائنات کی ہر چیز انسان کی خدمت کر رہی ہے انسان کسی کی خدمت نہیں کر رہا۔اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر سورج نہ ہو تو انسان کا حرج ہوتا ہے ہوا نہ ہو تو انسان کا نقصان ہوتا ہے پانی نہ ہو تو انسان کا نقصان ہوتا ہے۔کائنات کی کسی چیز پر انگلی رکھ کر دیکھ لیجئے خواہ وہ قیمتی ہو یا غیر قیمتی اگر وہ اس کائنات سے غائب کر دی جائے تو ضرور انسان کا کوئی نہ کوئی حرج ہوگا۔اس لئے کہ وہ انسان کی خدمت کر رہی ہے۔اور اگر خود انسان ہی اس کائنات میں نہ ہو تو کسی چیز کا کوئی نقصان نہیں ہوتا ہے۔نہ سورج کا نہ چاند کا نہ زمین کا نہ آسمان کا نہ پانی کا نہ ہوا کا۔اس لئے کہ انسان کسی کی خدمت نہیں کر رہا۔ سب چیزیں انسان کی خدمت کر رہی ہیں۔یہ انسان کا مقام ہے اس کا منصب ہے کہ وہ خلیفہ اللہ ہے۔انسان خدا کا گورنر ہے اس کا وائسرائے ہے۔اب سوال یہ ہے کہ اس کا کام کیا ہے؟سیدھی سیدھی بات ہے کہ اس کا کام یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے اس کو جو احکام دیئے ہیں ان کو نافذ کرے۔اپنی ذات پر نافذ کرے ان لوگوں پر نافذ کرے جو اس کے زیر اثر ہیں۔ یہ سیدھا سیدھا کام ہے لیکن انسان جب اس منزلت کو بھول جاتا ہے تو جہاں اللہ کے احکام کا نفاذ نہیں ہوسکتا وہاں اس کی حیثیت بھی بڑی مضحکہ خیز ہو جاتی ہے۔

مثال کے طور پر آپ عدالت کی کرسی پر بیٹھے ہیں مقدمہ سن رہے ہیں خدا نہ کرے بیٹھے بیٹھے آپ بھول جاتے ہیں کہ آپ جج ہیں اپنے منصب کو ہی بھول جاتے ہیں یا ذہن نہیں رہتا کہ آپ یہاں کس لئے بیٹھے ہیں؟ کتنی مضحکہ خیز صورت ہوگی؟ پورا کورٹ آپ کے سامنے بھرا ہوا ہے لوگ آپ کے چہرے کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ایک طرف مجرم کھڑے ہوئے ہیں دوسری طرف وکیل کھڑے ہوئے ہیں بحث ہو رہی ہے اور آپ کو یہ پتہ ہی نہیں کہ آپ کیا ہیں اور آپ یہاں کس لئے بیٹھے ہوئے ہیں۔آپ مجرم ہیں وکیل ہیں یا آپ بھی

تماشائی ہیں اور آپ کو کیا کرنا چاہئے' کیا نہیں کرنا چاہئے۔یہ کتنی مضحکہ خیز صورت حال ہے۔ بالکل یہی صورت حال انسان کی ہو جاتی ہے جب وہ اپنے منصب کو بھول جاتا ہے کہ اس کو کیوں پیدا کیا گیا اور اس کا اصل اور بنیادی کام کیا ہے؟ اور چند سالوں یا چند گھڑیوں کی جو اس کو مہلت دی گئی ہے' کس لئے دی گئی ہے اور اس کو اپنے ساتھ آخر کیا لے کر جانا ہے؟ جب ای منصب کو وہ بھول جاتا ہے تو اس پر کیا افتاد پڑتی ہے؟ یہ قرآن سے پوچھئے۔ارشاد ہوتا ہے ''یعنی نیچوں میں نیچ ہو جاتا ہے۔'' یہ سوال اپنی جگہ قائم ہے کہ انسان اپنا منصب کیوں بھولتا ہے؟ یہ ایک بہت اہم سوال ہے' اس پر غور کرنا چاہئے۔قرآن مجید اس کا جواب یوں دیتا ہے کہ جب انسان اللہ تعالیٰ کو' اپنے مالک حقیقی کو جس نے کہ اس کو یہ منصب عطا کیا' یاد رکھتا ہے تو اس کو اپنا منصب یاد رہتا ہے اور جب وہ اس کو بھول جاتا ہے تو اس کو اس کا منصب بھلا دیا جاتا ہے۔یہ سزا کے طور پر ہے۔آپ اس آیت پر ذرا غور کیجئے: ''ان لوگوں کی طرح مت ہو جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے کیا سزا دی۔ان کو بھلوا دیا ان کا اپنا آپ' ان کو اپنی حیثیت' ان کا اپنا تشخص یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی شخصیت ان کے دل سے فراموش کر دی۔علامہ اقبالؒ یہی بات زندگی بھر سمجھاتے رہے کہ اپنی خودی کو پہچانو' اپنے مقام سے آگاہ رہو' اپنے منصب اپنی حیثیت اور اپنی منزلت کو یاد رکھو۔اگر انسان کو یہ بات یاد رہے تو وہ ڈگمگاتا نہیں ہے۔اس منصب کو بھول جانے کے بعد انسان سے وہ سب کچھ صادر ہو جاتا ہے جو اس سے صادر نہیں ہونا چاہئے۔اس کے بعد انسان کی وہ کیفیت ہوتی ہے کہ ''وہ چوپایوں کی طرح سے ہو جاتے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہو جاتے ہیں۔'' (الاعراف:179)

غلبۂ بہیمیت:

انسان کی شخصیت میں کچھ ملکات ہیں۔اس کے اندر بہیمیت پائی جاتی ہے یعنی جانوروں کی سی صفات مثلاً اس کو کھانے پینے کی طلب ہوتی ہے'اس کو زوجہ کی طلب ہوتی ہے' یہ حیوانی صفات ہیں جو ہر انسان میں پائی جاتی ہیں۔اسی طرح انسان میں سبعیت ہے۔یعنی درندہ پن۔جیسے درندہ پھاڑ کھاتا ہے۔انسان کو جب دوسروں پر غصہ آتا ہے تو حدود کی پروا کئے بغیر وہ چاہتا ہے کہ دوسرے کو پھاڑ کھائے۔انسان میں ملکیت بھی پائی جاتی ہے یعنی فرشتوں کی سی صفات۔فرشتوں کی صفات کیا ہیں؟ نہ کھاتے ہیں' نہ پیتے ہیں'صرف اطاعت کرتے ہیں اور اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ان کو کوئی حاجت نہیں' دوسروں کی خدمت گزاری کرتے ہیں۔اطاعت ہی اطاعت ہے۔محبت ہی محبت ہے۔یہ فرشتوں کی صفات ہیں۔یہ بھی انسان میں پائی جاتی ہیں۔

اب یہ پہلی دو صفات یعنی بہیمیت اور سبعیت مل کر "النفس الامارة" بنتی ہیں۔جو انسان کو برائی پر ابھارتی ہے۔ملکیت کی صفت نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ بنتی ہے۔وہ نفس جو انسان کو اطمینان'سکون اور راحت دیتا ہے۔اللہ سے قریب تر کر دیتا ہے۔دیکھنا یہ ہے کہ انسان اپنے اندر ان تین صفات میں توازن کس طرح قائم رکھتا ہے۔ملکیت کتنی رہتی ہے۔سبعیت اور بہیمیت کتنی رہتی ہے اگر خدانخواستہ اس کے اندر سبعیت و بہیمیت بڑھ جائے تو درندگی اور حیوانیت بڑھ جائے گی اور نفس امارہ اس پر حاکم ہوگا۔اور ملکیت بڑھ جائے تو عقل' اطاعت' اور شعور کا اس پر غلبہ ہوگا۔وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا اور دوسروں کی خدمت کرے گا۔اس اعتبار سے دنیا میں انسان کی کئی قسمیں بن جاتی ہیں۔ایک تو وہ انسان ہے جو درجہ انسانیت پر فائز ہے۔اس میں ملکیت ہے' اپنی ضروریات قربان کر دیتا ہے۔(دوسروں

کے لئے قربانی دے دیتا ہے) خواہ اس کی اپنی ضرورت سخت ہو۔ یہ درجہ انسانیت ہے۔ دوسرا درجہ حیوانیت کا ہے کہ دوسروں کی ضرورت کی کوئی پرواہ نہیں' اپنی ضرورت مقدم ہے بالکل اسی طرح جیسے کہ حیوان کو بھوک لگتی ہے تو وہ خود کھاتا ہے۔ پیاس لگتی ہے تو خود پیتا ہے' دوسروں کی ضرورت کی اس کو پرواہ نہیں ہے۔ تیسری قسم کا انسان وہ بھی ہے کہ اس کی ضرورت اس وقت تک پوری نہیں ہوتی ہے جب تک وہ دوسرے کا پیٹ نہ پھاڑے' قربانی کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔ سبعیت اس پر غالب ہے۔ یہ چور' ڈاکو اور مجرم تیسری صفت میں آتے ہیں۔ ایک چوتھی قسم بھی ہے جو اس سے زیادہ خطرناک ہے کہ حاجت ہو یا نہ ہو' ضرورت ہو یا نہ ہو' دوسرے کو نقصان ضرور پہنچاتا ہے' خواہ تفنن طبع کے لئے سہی۔ ایک آدمی سو یا ہوا ہے' ساتھ سے سانپ گزرا اس نے ڈس لیا۔ ایک آدمی آرام سے پڑا ہوا ہے۔ بچھو آیا اور اس نے ڈس لیا۔ اس بچھو کو ڈسنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ سانپ کو ڈسنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوا اس سے کوئی خوراک اس کی پوری نہیں ہوئی۔ لیکن تفنن طبع کے لئے یا اپنے خبث باطن کی وجہ سے دوسرے کو ڈس لیا۔ درندہ تو اس لئے کھاتا ہے کہ اس سے اس کا پیٹ بھرتا ہے' نہ کھائے تو مر جائے اس کی تو ضرورت ہے۔ سانپ اس لئے ڈستا ہے کہ ڈسنے میں اس کو لذت آتی ہے۔ یوں سمجھئے کہ تفنن طبع کے لئے دوسرے کی جان گئی' اس کی ادا ٹھہری۔ انہی صفات کی وجہ سے انسان میں سبعیت' بہیمیت' ملکیت اور حیوانیت بڑھتی رہتی ہے۔ اس توازن کو قائم رکھنا انسان کا کام ہے۔ اگر خدانخواستہ سبعیت اور بہیمیت بڑھ جائے تو یہ نفس امارہ کا غلبہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ شریعت روزے فرض کر دیتی ہے۔ روزے فرض کرنے سے سبعیت اور بہیمیت کا زور ٹوٹتا ہے' ملکیت ابھرتی ہے' روزے کی اصل مصلحت "لعلکم تتقون" ہے تا کہ تم میں ملکیت ابھرے اور تم پرہیزگار بن جاؤ۔ اس موقعہ پر ایک اور شخصیت سامنے آتی ہے۔ ایک تو انسان

کی داخلی شخصیت ہے۔ یہ ہے نفس امارہ۔ ایک خارجی دشمن بھی سامنے آتا ہے جیسا کہ قرآن شہادت دیتا ہے: کہ شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے۔ گویا نفس امارہ پوشیدہ اور داخلی دشمن ہے جبکہ شیطان خارجی دشمن ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نفس امارہ شیطان سے زیادہ خطرناک ہے۔ بلکہ بعض فقہاء نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ خود شیطان کو بھی جس چیز نے بہکایا وہ بھی اس کا نفس امارہ تھا۔ نفس امارہ بذات خود شیطان سے زیادہ خطرناک دشمن ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: شیطان انسان کے دل پر دھرنا مار کر بیٹھا رہتا ہے۔ جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے تو وہ دبک جاتا ہے پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب وہ غافل ہو جاتا ہے تو پھر آتا ہے اور وسوسے ڈالتا ہے اس کے دل میں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ: ''شیطان' انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔ باہر سے آتا ہے لیکن انسان کے جسم میں یوں حلول کر جاتا ہے کہ اس کے خون کے ساتھ گردش کرتا ہے تو یہ وہ دشمن ہیں انسان کے۔ ایک اس کا اپنا نفس امارہ ہے جس کو وہ خود پرورش دیتا ہے۔ سبعیت اور بہیمیت کو ابھار کر' اور ایک باہر کا دشمن شیطان ہے جو غفلت میں آتا ہے اور انسان پر حملہ کرتا ہے۔ یہ دشمن انسان کو ارتکاب معاصی پر ابھارتے ہیں۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ علاج کیا ہے؟

بنیادی علاج:

اصل علاج ازالہ اسباب ہے۔ میں نے جتنے بھی اسباب بیان کئے ہیں ان کا ازالہ ممکن ہے۔ ان کا ازالہ کر دیا جائے تو خود بخود اللہ تعالیٰ نیکی کی توفیق دیتے ہیں اور ارتکاب معاصی سے بچا لیتے ہیں۔

سب سے پہلے اللہ کے ذکر پر ہیشگی ہو' ہر وقت اللہ کی یاد رہے تا کہ اللہ تعالیٰ

نہ بھولیں اور اپنا آپ نہ بھلوائیں' اپنی منزلت اور اپنا منصب انسان نہ بھولے۔ یہاں پر اشارہ میں یہ بھی عرض کردوں کہ بہت سی آیات اور احادیث ذکراللہ کے بارے میں آئی ہیں۔ جو شخص ذکر کثرت سے کرتا ہے' اللہ تعالیٰ کی رحمت اس پر نازل ہوتی ہے' سکینت نازل ہوتی ہے' فرشتے اس کو گھیر لیتے ہیں' اس کو ظلمت سے نکال کر نور کی طرف لے آیا جاتا ہے۔ میں صرف درود شریف کے بارے میں آپ سے عرض کرتا ہوں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ: ''جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے' اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ سلامتی بھیجتے ہیں۔'' تو اس کی بھی کوئی اہمیت ہے یا نہیں یا ایسے ہی بھیجتے رہتے ہیں؟ اس کے کوئی عملی نتائج بھی ہیں یا نہیں؟ ایک دن قرآن مجید کی یہ آیت میرے سامنے آئی تو میں پھڑک اٹھا کہ اس صلاۃ کے تو بہت گہرے عملی نتائج ہیں۔

اب دیکھئے سورۃ احزاب میں ہے: اللہ تو وہ ذات ہے جو تم پر صلاۃ بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تم پر صلاۃ بھیجتے ہیں۔ کس لئے؟ تاکہ تمہیں ظلمات سے نکال کر نور میں داخل کردے تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جس شخص پر اپنی صلاۃ بھیجتا ہے' اس صلوٰۃ کا عملی نتیجہ یہ ہے کہ اس کو ظلمات سے نکال کر نور میں داخل کر دیتا ہے۔ یعنی بداعمالی سے نکال کر نیک اعمال کی طرف داخل کر دیتا ہے۔

اور بھی بہت سے اذکار ہیں۔ مثلاً

سبحان اللہ' الحمدللہ' اللہ اکبر' لا الہ الا اللہ' لاحول ولاقوۃ الا باللہ' استغفار۔ یہ جتنے بھی اذکار ہیں ان سب کے علیحدہ علیحدہ اثرات ہیں۔ یہ ذکر اللہ کی مختلف صورتیں ہیں۔ جیسے قرآن شریف کا مطالعہ ہے' حدیث شریف کا مطالعہ ہے۔ یہ سب ذکر میں آتا ہے۔ قرآن و سنت کے مطالعہ سے انسان اللہ تعالیٰ کو یاد رکھتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو اپنا منصب اور اپنی

منزلت فراموش نہیں ہوتی اور وہ اپنی خودی کو نہیں بھولتا۔

دوسری چیز یہ ہے کہ انسان علماء اور صالحین کی صحبت اختیار کرے۔

تیسری چیز وہی ہے جو میں نے عرض کردی کہ کسب حلال اختیار کرے۔

اور اہم بات یہ ہے کہ دین کا علم جتنا اس کے بس میں ہو وہ حاصل کرنے کی کوشش کرے تا کہ اللہ تعالی کی صفات کے بارے میں وہ دھوکے میں نہ پڑے۔

دعائے مغفرت

نوشہرہ ورکاں سے عمران افضل کی ممانی

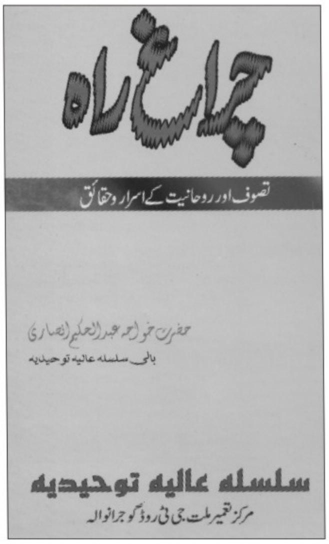
نوشہرہ ورکاں سے محمد لطیف توحیدی کے بیٹے کی ساس

ڈسکہ سے عبدالرشید ساہی کے قریبی عزیز حاجی عطاءاللہ گھمن

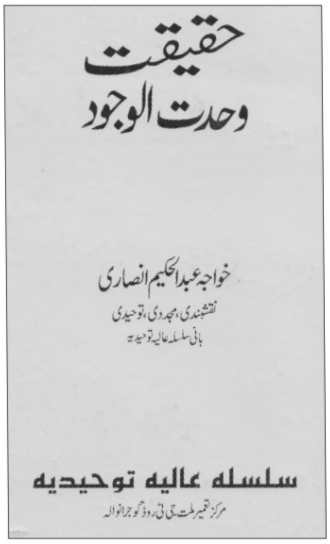
بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّـا اِلَیْہِ رَاجِعونَ)

مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

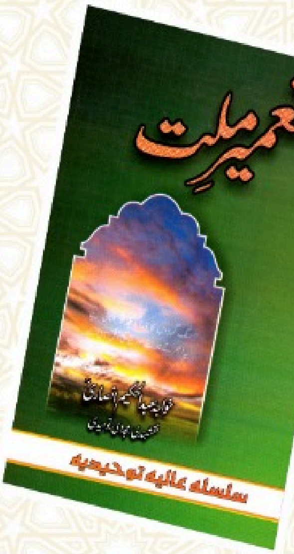


کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات،مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔زوال اُمت میں اُمراء ،علماء،صوفیاء کا کردار۔علماء اورصوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اورتصوّف کے انسانی زندگی پراثرات۔سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

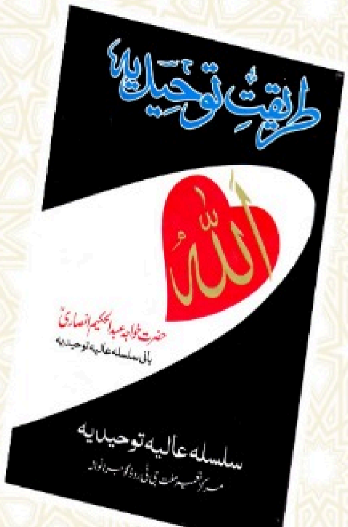


وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصرسی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کوعام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پرروشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔حضرت مجددالف ثانیؒ کانظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اورناگزیریت،بنیادی سوال جس نےنظریۂ وحدت الوجودکو جنم دیا اورروحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔

سلسلہ توحیدیہ کی مطبوعات



قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمّل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کردیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کردیئے ہیں جس پر عمل کرکے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کرسکتا ہے۔

Reg: CPL - 01
Website www.tauheediyah.com